اس شمارے میں

حرفِ اوّل	حافظ عاطف وحید	2
مطالعہ قرآن حکیم		
سورۃ البقرۃ (آیات ۱ تا ۷)	ڈاکٹر اسرار احمد	3
فہم القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	15
نباتاتِ قرآن		
کافور	سید قاسم محمود	31
حکمتِ نبویؐ		
طبعی غیرت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	34
فکر و نظر		
اسلامی نظام تعزیرات	انجینئر کرم الٰہی انصاری	37
توضیح و تنقیح		
چہرے کا پردہ۔ واجب، مستحب یا بدعت؟ (۳)	حافظ محمد زبیر	43
موت العالِم موت العالَم		
ایک عہد کا خاتمہ	مولانا محمد ذکوان ندوی	58
تعارف و تبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	63

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

دار المطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 11.2.06
۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۵ | محرم الحرام ۱۴۲۷ھ۔ فروری ۲۰۰۶ء | شمارہ ۲

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن: ایک ''مظلوم'' کتاب

انسانوں کے مختلف رویوں کے اعتبار سے قرآن حکیم ایک ''مظلوم'' کتاب بھی ہے۔ بہت سے لوگوں نے جہاں قرآن حکیم کو سمجھنے' پڑھنے' اس پر عمل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے کمر ہمت کسی اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اس عظیم کلام کے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کی' وہیں اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ قرآن کے بہت سے مخاطبین کے ذہنوں میں ایسی غلط فہمیاں (confusions) موجود ہیں جن کی بناء پر قرآن مجید ان کے لیے اُس اہمیت کی شئے باقی نہیں رہتا جیسا کہ وہ فی الواقع ہے۔ اسی لیے قرآن کے لیے وہ اعتناء اور اہتمام پیدا نہیں ہو پاتا جو اس سے حقیقی استفادے کے لیے ضروری ہے۔

بعض لوگ قرآن پر یہ ظلم ڈھاتے ہیں کہ وہ اسے ایک خاص دور کی حد تک مفید کتاب قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس کتاب کی یہ خوبی بہر حال مانی جانی چاہیے کہ اس نے ایک دور کے پسماندہ اور تہذیب وتمدن سے تہی بعض لوگوں کو مہذب اور متمدن قوم بنانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ لیکن چونکہ وہ دور بہت سادہ تھا اس لیے ان کی اصلاح اس کتاب سے ہوگئی' جبکہ آج کا دور بہت متنوع اور الجھا ہوا ہے' افراد اور ادارے بہت پُر پیچ شکل اختیار کر چکے ہیں' اس لیے اُن کے خیال کے مطابق موجودہ زمانے کے لیے یہ کتاب کافی نہیں۔

کچھ دوسری قسم کے لوگ بھی ہیں جو اس کتاب کی شان کو قدرے بہتر گردانتے ہیں۔ وہ اسے ''یکے از ادلّۂ اربعہ'' قرار دیتے ہوئے احکامِ شریعت کے لیے فقہی ضابطہ اور اوّلین مصدر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی یہ ''دُور رس نگاہ'' بھی قرآن کی حقیقت پانے سے اس لیے محروم ہے کہ احکامِ شریعت اور فقہ مرتب ہونے کے بعد اس ابدی ہدایت نامے کی وہ اہمیت باقی نہ رہی جو ان کے خیال کے مطابق ہو سکتی تھی۔ ہاں اس کے ساتھ ایک خاص نوع کا تعلقِ خاطر تبرک کے نکتۂ نگاہ سے پھر بھی ضروری رہا۔

(باقی صفحہ 30 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کی پہلی سورت سورۃ الفاتحہ ہے' جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ یہ بات آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر پوری کی پوری نازل ہوئی۔ اس سے پہلے صرف متفرق آیات نازل ہوئی تھیں۔ یعنی سورۃ العلق' سورۃ القلم' سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات۔

یہ بات بھی آپ کے سامنے آ چکی ہے کہ قرآن حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے مجموعوں کے اعتبار سے بھی سات گروپ ہیں۔ پہلا گروپ وہ ہے جس کا ہم سورۃ الفاتحہ سے آغاز کر چکے ہیں۔ اس گروپ میں جو مکی سورت ہے وہ صرف سورۃ الفاتحہ ہے۔ یہ حجم کے اعتبار سے بہت چھوٹی لیکن اپنے مقام و مرتبہ اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے' یہاں تک کہ اسے ''القرآن العظیم'' بھی کہا گیا۔ گویا یہ اپنی جگہ پر خود ایک عظیم قرآن ہے۔ اس کے بعد مدنی سورتیں چار ہیں۔ یہ طویل ترین مدنی سورتیں ہیں اور دو دو سورتوں کے دو جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم کی اکثر سورتیں جوڑوں کی شکل میں ہیں' جبکہ کچھ منفرد بھی ہیں۔ سورۃ الفاتحہ منفرد ہے' اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے' اگرچہ اس کی معنوی مناسبت قرآن مجید کی آخری سورت سورۃ الناس کے ساتھ جڑتی ہے' لیکن بہرحال اُس کا جوڑا سورۃ الفلق ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں سورتوں پر مشتمل ایک جوڑا ہے' لہٰذا سورۃ

الفاتحہ کا کوئی جوڑ نہیں ہے' یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پورا قرآن ہی اس کا جوڑا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد جو چار سورتیں ہیں یہ جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران ایک جوڑا ہے جبکہ سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ دوسرا جوڑا ہے۔ اس کی سب سے نمایاں علامت یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کا آغاز حروفِ مقطعات ''الٓمٓ'' سے ہوتا ہے' جبکہ سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ دونوں میں بغیر کسی تمہید کے گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ سورۃ النساء کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ.....﴾ اور سورۃ المائدۃ شروع ہوتی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾۔ پہلے کوئی تمہیدی بات نہیں کی گئی۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کا یہ جو جوڑا ہے' ان دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے ''الزّھراوَین'' کا نام عطا فرمایا ہے۔ ''زھراء'' کا مطلب ہے بہت تابناک' روشن۔ یہ لفظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کا جزء بن چکا ہے اور انہیں فاطمۃ الزہراء کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر' نورِ چشم حضرت فاطمہ بہت ہی روشن چہرے والی خاتون تھیں۔ حضور ﷺ کے الفاظ کے مطابق سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران ''الزّھراوَین'' یعنی دو انتہائی تابناک اور روشن سورتیں ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی آخری دو سورتوں کو ''المُعوّذتین'' کا نام دیا گیا ہے۔

پہلے گروپ کی ان مدنی سورتوں کے مضامین کے بارے میں جان لیجیے کہ دو مضمون ہیں جو اِن میں متوازی چلتے ہیں۔ پہلا مضمون شریعت اسلامی کا ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے تقریباً دو تہائی قرآن نازل ہو چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ پہلی مدنی سورۃ ہے' اس سے پہلے زمانی اعتبار سے پورا مکی قرآن نازل ہو چکا تھا' اگرچہ ترتیب میں وہ بعد میں آئے گا۔ اس میں شریعت کے احکام نہیں تھے۔ لہٰذا اب جبکہ مدینہ میں مسلمانوں کا ایک آزاد معاشرہ قائم ہو گیا' یا یوں کہہ لیجیے کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہو گئی' جہاں اپنے قواعد' اپنے قوانین' اپنے اصول کے مطابق سارے معاملات طے کیے جا سکتے تھے' تب شریعت کا نزول شروع ہوا۔ سورۃ البقرۃ میں یوں

سمجھئے کہ احکامِ شریعت کی ابتدا ہوتی ہے' جسے ہم جدید اصطلاح میں ''بلیو پرنٹ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی تعمیر کرنی ہو تو پہلے اس کا ابتدائی خاکہ بنتا ہے اور وہ نیلے کاغذ پر بنتا ہے۔ اس کے بعد اس کے تفصیلی نقشے بنتے ہیں۔ تو بلیو پرنٹ جو ہے شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا وہ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ پھر سورۃ النساء میں اس کے اندر مزید اضافہ ہوتا ہے' اور سورۃ المائدۃ میں شریعت کے تکمیلی احکام آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ تکمیلِ شریعت کی سورت ہے۔ اسی میں وہ آیت ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ (آیت ۳)

دوسرا مضمون جو ان سورتوں میں چلتا ہے وہ ہے اہل کتاب سے خطاب۔ مکی قرآن میں سارا خطاب مشرکین سے تھا' یعنی عرب کے وہ لوگ جو مکہ میں اور اس کے اردگرد آباد تھے۔ وہاں کوئی یہودی یا کوئی نصرانی نہیں تھا' سب کے سب مشرکین عرب تھے۔ تو پورے مکی قرآن میں انہی سے ردّوقدح ہے' گفتگو ہے' بحث ونزاع ہے' ان کے اعتراضات کے جوابات ہیں اور ان پر اتمامِ حجت کیا گیا ہے۔ اگرچہ اہل کتاب کا تذکرہ حوالہ کے طور پر موجود ہے' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر موجود ہے' لیکن بنی اسرائیل سے' یہودیوں سے' یا نصاریٰ سے کوئی خطاب نہیں ہوا۔ ان سے خطاب مدینہ میں آ کر شروع ہوا ہے' کیونکہ وہاں یہودی آباد تھے۔ مدینہ میں یہود کے تین مضبوط قبیلے موجود تھے۔ تو یہ ہیں دو بنیادی مضمون اس پہلے گروپ کے۔ ان میں آپ کو ایک اور تقسیم نظر آ جائے گی کہ اہل کتاب میں سے جن سے ''یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ'' کے الفاظ سے خطاب ہو رہا ہے یعنی یہود' ان سے ساری گفتگو سورۃ البقرۃ میں ہے' جبکہ جو نصاریٰ ہیں ان سے گفتگو سورۂ آل عمران میں ہے۔

سورۃ البقرۃ کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسے حضور ﷺ نے قرآن مجید کا ذروۂ سنام یعنی کلائمکس قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ((اَلْبَقَرَۃُ سَنَامُ الْقُرْاٰنِ وَذُرْوَتُہٗ)) (مسند احمد) حجم کے اعتبار سے بھی قرآن کی سب سے بڑی سورت یہی ہے' ۲۸۶ آیات پر مشتمل ڈھائی پاروں پر پھیلی ہوئی ہے۔

سورۃ البقرۃ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اس اعتبار سے میں نے اس کا ایک نام تجویز کیا ہے ''سُورۃُ الاُمَّتَین'' یعنی دو اُمتوں کی سورت۔ اس کے نصف اوّل میں اصل روئے سخن اُمت سابق یہود کی طرف ہے' جو اُس وقت تک اللہ کے نمائندہ تھے اور زمین پر وہی اُمت مسلمہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی بداعمالی کی وجہ سے اپنے آپ کو اس مقام کا نااہل ثابت کیا' لہٰذا وہ معزول کیے گئے اور ایک نئی اُمت اُمتِ محمد ﷺ اس مقام پر فائز کی گئی۔ تو نصفِ اوّل میں سابق اُمت سے گفتگو ہے اور ان پر گویا فردِ جرم عائد کی گئی ہے کہ تم نے یہ کیا' یہ کیا اور یہ کیا۔ ہم نے تم پر یہ احسانات کیے' ہم نے یہ بھلائی کی' تمہارے اوپر ہماری یہ رحمتیں ہوئیں' لیکن تمہارا طرزِ عمل یہ ہے' جس کی بناء پر اب تم معزول کیے جا رہے ہو۔ یہ مضمون ہے پہلے نصف کا۔ اور اب جو دوسری اُمت قائم ہوئی ہے یعنی اُمتِ محمد ﷺ اس سے خطاب ہے نصفِ ثانی کے اندر۔ تو اس کی یہ ترتیب ذہن میں رکھیے۔ پہلا حصہ اٹھارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کی آیات کی تعداد ۱۵۲ ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ بائیس رکوعوں پر مشتمل ہے' لیکن تعداد آیات ۱۳۴ ہے۔ اِس طرح یہ دونوں حصے تقریباً برابر بن جاتے ہیں۔

نصفِ اوّل کے جو اٹھارہ رکوع ہیں ان کو بھی تین حصوں میں تقسیم کر لیجیے۔ پہلے چار رکوع تمہیدی ہیں۔ پھر دس رکوعوں میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ پھر چار رکوع تحویلی ہیں۔ تمہیدی رکوعوں میں سے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کی ایک تقسیم بیان کر دی گئی جو دنیا میں ہمیشہ پائے جائیں گے۔ جب بھی کوئی نئی دعوت آئے گی تو کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اسے تہہ دل سے قبول کریں گے اور اس کے لیے ''ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم'' کے مصداق سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ وہ ہوں گے جو اس کی مخالفت پر اوّل روز سے کمر کس لیں گے اور اسے ہرگز نہیں مانیں گے۔ اور کچھ وہ ہوں گے جو بین بین رہیں گے۔ ان کا طرزِ عمل یہ رہے گا کہ بات کچھ اچھی لگتی بھی ہے لیکن اس کے لیے قربانی دینا کٹھن ہے' اس کے تقاضے بڑے مشکل ہیں۔ بات اچھی ہے' قبول بھی کرتے ہیں' لیکن عملاً اس کے تقاضے پورے

نہیں کرتے۔ ان کے لیے سورۃ النساء میں ﴿لَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تفصیل پہلے دو رکوعوں میں آئی ہے۔

اس کے بعد دوسرے دو رکوعوں میں گویا مکی قرآن کا خلاصہ آ گیا ہے۔ ایک رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور ایک رکوع میں قرآن مجید کا فلسفہ بیان کر دیا گیا۔ یہ مضامین اصل میں مکی سورتوں کے ہیں اور وہاں تفصیل سے زیر بحث آ چکے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے نزول سے پہلے ان مضامین پر بہت مفصل بحثیں ہو چکی ہیں' لیکن چونکہ حکمتِ خداوندی میں اس مصحف کی ترتیب میں سب سے پہلے سورۃ البقرۃ ہے' لہٰذا سورۃ البقرۃ میں ان مضامین کا خلاصہ درج کر دیا گیا' تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے وہ مضامین ذہن نشین کر لیے جائیں۔

اب بسم اللہ کر کے ہم سورۃ البقرۃ کے مطالعہ کا آغاز کر رہے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٧﴾

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ۝١﴾ ''ا۔ل۔م۔'' یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کے بارے میں یہ جان لیجیے کہ ان کے حقیقی' حتمی اور یقینی مفہوم کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین۔ حروفِ

مقطعات کے بارے میں اگرچہ بہت سی آراء ظاہر کی گئی ہیں' لیکن ان میں سے کوئی شے رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ اس طرح کے حروفِ مقطعات کا کلام میں استعمال عرب میں معروف تھا' اس لیے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ قرآن مجید کی ۱۱۴ میں سے ۲۹ سورتیں ایسی ہیں جن کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوا ہے۔ سورۂ قٓ' سورۃ القلم اور سورۂ صٓ کے آغاز میں ایک ایک حرف ہے۔ حٰمٓ' طٰہٰ اور یٰسٓ دو دو حرف ہیں۔ الٓمٓ اور الٓرٰ تین تین حروف ہیں جو کئی سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ الٓمٓصٓ اور الٓمٓرٰ چار چار حروف ہیں۔ حروفِ مقطعات میں زیادہ سے زیادہ پانچ حروف یکجا آتے ہیں۔ چنانچہ کٓھٰیٰعٓصٓ سورۂ مریم کے آغاز میں اور حٰمٓ عٓسٓقٓ سورۃ الشوریٰ کے آغاز میں آئے ہیں۔ ان کے بارے میں اس وقت مجھے اس سے زائد کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔ اپنے مفصل درسِ قرآن میں مَیں نے ان پر تفصیل سے بحثیں کی ہیں۔

آیت ۲ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ''یہ الکتاب ہے' اس میں کچھ شک نہیں۔'' یا ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔'' آیت کے اس ٹکڑے کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ پہلے ترجمے کی رو سے یہ ہے وہ کتابِ موعود جس کی خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزماں ﷺ آئیں گے اور اُن کو ہم ایک کتاب دیں گے۔ یہ گویا حوالہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیوں کی طرف کہ جو تورات میں موجود تھیں۔ آج بھی ''کتاب مقدس'' کی کتاب استثناء (Deuteronomy) کے اٹھارہویں باب کی اٹھارہویں آیت کے اندر یہ الفاظ موجود ہیں کہ: ''میں ان (بنی اسرائیل) کے لیے ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا۔'' تو یہ بائبل میں حضرت محمد ﷺ کی پیشین گوئیاں تھیں۔ آگے چل کر سورۃ الاعراف میں ہم اسے تفصیل سے پڑھ بھی لیں گے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہی وہ کتابِ موعود ہے کہ جو نازل کر دی گئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ اس میں کسی شک و

شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ہر شے اپنی جگہ پر یقینی ہے، حتمی ہے، اٹل ہے، اور یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو یہ دعویٰ لے کر اٹھی ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جو کتابیں آسمانی کہلائی جاتی ہیں اُن کے اندر بھی یہ دعویٰ کہیں موجود نہیں ہے، انسانی کتابوں میں تو اس کا سوال ہی نہیں ہے۔ علامہ اقبال جیسے نابغہ عصر فلسفی بھی اپنے لیکچرز کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سب صحیح ہے، ہوسکتا ہے جیسے جیسے علم آگے بڑھے مزید نئی باتیں سامنے آئیں۔ لیکن قرآن کا دعویٰ ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ ''اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔'' پہلے ترجمہ کی رو سے ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' ایک جملہ مکمل ہوگیا اور ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' دوسرا جملہ ہے۔ جبکہ دوسرے ترجمہ کی رو سے ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ'' مکمل جملہ ہے۔ یعنی ''یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ ''ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے''۔ یعنی ان لوگوں کے لیے جو بچنا چاہیں۔ تقویٰ کا لفظی معنیٰ ہے بچنا۔ ''وَقٰی۔ یَقِی'' کا مفہوم ہے ''کسی کو بچانا'' جبکہ تقویٰ کا معنی ہے خود بچنا۔ یعنی کج روی سے بچنا، غلط روی سے بچنا اور افراط وتفریط کے دھکوں سے بچنا۔ جن لوگوں کے اندر فطرتِ سلیمہ ہوتی ہے اُن کے اندر یہ اخلاقی حس موجود ہوتی ہے کہ وہ بھلائی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہر بری چیز سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو قرآن مجید کے اصل مخاطبین ہیں۔ گویا جس کے اندر بھی بچنے کی خواہش ہے اس کے لیے یہ کتاب ہدایت ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں ہماری فطرت کی ترجمانی کی گئی تھی اور ہم سے یہ کہلوایا گیا تھا: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ ''(اے پروردگار!) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش''۔ آیت زیر مطالعہ گویا اس کا جواب ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ لو وہ کتاب موجود ہے کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ ان تمام لوگوں کے لیے ہدایت کے تقاضوں کے اعتبار سے کفایت کرتی ہے جن میں غلط روی سے بچنے کی خواہش موجود ہے۔

وہ لوگ کون ہیں؟ اب یہاں دیکھئے تاویل خاص کا معاملہ آ جائے گا کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی تیرہ برس کی محنت کے نتیجہ میں مہاجرین وانصار کی ایک جماعت وجود میں آ گئی تھی، جس میں حضراتِ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن عبادہ اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہم جیسے نفوسِ قدسیہ شامل تھے۔ تو گویا اشارہ کر کے دکھایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ وہ لوگ ہیں، دیکھ لو ان میں کیا اوصاف ہیں۔

آیت ۳ ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ''جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر۔'' یہ متقین کے اوصاف میں سے پہلا وصف ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بس جو کچھ ہماری آنکھوں سے نظر آ رہا ہے، حواسِ خمسہ کی زد میں ہے بس وہی کُل حقیقت ہے۔ نہیں! اصل حقیقت تو ہمارے حواس کی سرحدوں سے بہت پرے واقع ہوئی ہے۔

ہدایتِ قرآنی کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ جو اصل حقیقت ہے وہ اس کی نگاہوں سے مستور ہے۔ انگلستان کے بہت بڑے فلسفی بریڈلے کی کتاب کا عنوان ہے: ''Appearance and Reality''۔ اس نے لکھا ہے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ حقیقت نہیں ہے، حقیقت اس کے پیچھے ہے، کنفیوشس چین کا بہت بڑا حکیم اور فلسفی تھا، اس کی تعلیمات میں اخلاقی رنگ بہت نمایاں ہے۔ اُس کا ایک جملہ ہے:

There is nothing more real than what can not be seen; and there is nothing more certain than what can not be heard.

یعنی وہ حقائق جو آنکھوں سے دیکھے نہیں جا سکتے اور کانوں سے سنے نہیں جا سکتے اُن سے زیادہ یقینی اور واقعی حقائق کوئی اور نہیں ہیں۔

﴿وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں۔'' اللہ کے ساتھ اپنا ایک ذہنی وقلبی اور روحانی رشتہ استوار کرنے کے لیے نماز قائم کرتے ہیں۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ''اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی خیر میں، بھلائی میں، نیکی میں، لوگوں کی تکالیف دور کرنے میں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنا مال خرچ

کرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ''اور جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبی ﷺ) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے''۔

﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور اس پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا''۔ یہ بہت اہم الفاظ ہیں۔ عام طور پر آج کل ہمارے ہاں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ سابقہ آسمانی کتب تورات اور انجیل وغیرہ کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں' اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''کوئی ضرورت نہیں'' کی حد تک تو شاید بات صحیح ہو' لیکن ''کوئی فائدہ نہیں'' والی بات بالکل غلط ہے۔ دیکھئے قرآن کے آغاز ہی میں کس قدر اہتمام کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ ایمان صرف قرآن پر ہی نہیں' اس پر بھی ضروری ہے جو اس سے پہلے نازل کیا گیا۔ سورۃ النساء کوئی چھ ہجری میں جا کر نازل ہوئی ہے' اور اس کی آیت ۱۳۶ کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔''

چنانچہ تورات' انجیل' زبور اور صحفِ ابراہیمؑ پر اجمالی ایمان کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ البتہ چونکہ ہم سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ ان کتابوں میں تحریف ہو گئی ہے لہٰذا ان کتابوں کی کوئی شے قرآن پر حجت نہیں ہو گی۔ جو چیز قرآن سے ٹکرائے گی ہم اس کو رد کر دیں گے اور ان کتابوں کی کسی شے کو دلیل کے طور پر نہیں لائیں گے۔ لیکن جہاں قرآن مجید کی کسی بات کی نفی نہ ہو رہی ہو وہاں ان سے استفادے میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سے حقائق ایسے ہیں جو ہمیں ان کتابوں ہی سے ملتے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کے درمیان زمانی ترتیب (Chronological Order) ہمیں تورات سے ملتی ہے' جو

قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن میں کبھی حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بعد میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلے آ جاتا ہے۔ یہاں تو کسی اور پہلو سے ترتیب آتی ہے' لیکن تورات میں ہمیں حضراتِ ابراہیم' اسحاق' یعقوب' انبیاء بنی اسرائیل موسیٰ اور عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کی تاریخ ملتی ہے۔ اس اعتبار سے سابقہ کتب سماویہ کی اہمیت پیشِ نظر رہنی چاہیے۔

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ ''اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔'' یہاں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ باقی سب چیزوں کے لیے تو لفظ ایمان آیا ہے جبکہ آخرت کے لیے ''ایقان'' آیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر شے ایمان بالآخرۃ ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہے کہ آخرت کی زندگی میں مجھے اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو اس کا عمل صحیح ہو گا۔ لیکن اگر اس یقین میں کمی واقع ہو گئی تو توحید بھی محض ایک عقیدہ (Dogma) بن کر رہ جائے گی اور ایمان بالرسالت بھی بدعات کو جنم دے گا۔ پھر ایمان بالرسالت کے مظاہر یہ رہ جائیں گے کہ بس عید میلاد النبیؐ منا لیجیے اور نعتیہ اشعار کہہ دیجیے' اللہ اللہ خیر صلاّ۔ انسان کا عمل تو آخرت کے یقین کے ساتھ درست ہوتا ہے۔

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ کے الفاظ میں یہ مفہوم بھی ہے کہ ''آخرت پر انہی کا یقین ہے''۔ یہاں گویا حصر بھی ہے۔ اس اعتبار سے کہ یہودی بھی مدعی تھے کہ ہم آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہاں تضاد (contrast) دکھایا جا رہا ہے کہ آخرت پر یقین رکھنے والے تو یہ لوگ ہیں! تاویل خاص کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ یہ لوگ تمہاری نگاہوں کے سامنے موجود ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی تیرہ برس کی کمائی ہیں۔ جو انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج یعنی تلاوتِ آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کا نتیجہ ہیں۔

آیت ۵ ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں''۔ وہ ابتدائی ہدایت بھی ان کے پاس تھی اور اس تکمیلی

ہدایت یعنی قرآن پر بھی ان کا پورا یقین ہے' اور محمد ﷺ کا اتباع بھی وہ کر رہے ہیں۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔ ''فلاح'' کا لفظ بھی قرآن مجید کی بہت اہم اصطلاح ہے۔ اس کا معنی ہے منزلِ مراد کو پہنچ جانا' کسی باطنی حقیقت کا عیاں ہو جانا۔ اس پر اِن شاء اللہ سورۃ المؤمنون کے شروع میں گفتگو ہو گی۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ فلاح پانے والے' کامیاب ہونے والے' منزلِ مراد کو پہنچنے والے اصل میں یہی لوگ ہیں۔ تاویل خاص کے اعتبار سے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہو گیا' جبکہ تاویل عام کے اعتبار سے ہر شخص کو بتا دیا گیا کہ اگر قرآن کی ہدایت سے مستفید ہونا ہے تو یہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرو۔

آیت ۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا (یعنی وہ لوگ کہ جو کفر پر اڑ گئے) ان کے لیے برابر ہے (اے محمد ﷺ) کہ آپ انہیں انذار فرمائیں یا نہ فرمائیں' وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں''۔

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر پر اڑ گئے۔ اس کو ہم تاویل عام میں نہیں لے سکتے۔ اس لیے کہ اس صورت میں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص نے کسی بھی وقت کفر کیا اب وہ ہدایت پر آ ہی نہیں سکتا! یہاں یہ بات مراد نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مغالطہ کی بنا پر یا عدم توجہی کی بنا پر کفر میں ہے' حق اس پر واضح نہیں ہوا ہے تو انذار و تبشیر سے اسے فائدہ ہو جائے گا۔ آپ اسے وعظ و نصیحت کریں تو وہ اس کا اثر قبول کرے گا۔ لیکن جو لوگ حق کو حق سمجھنے اور پہچاننے کے باوجود محض ضد' ہٹ دھرمی اور تعصب کی وجہ سے یا تکبر اور حسد کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے تو ان کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ان کے لیے برابر ہے خواہ آپؐ انہیں سمجھائیں یا نہ سمجھائیں' ڈرائیں یا نہ ڈرائیں' انذار فرمائیں یا نہ فرمائیں' وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ سوتے کو تو جگایا جا سکتا

ہے' جاگتے کو آپ کیسے جگائیں گے؟ یہ گویا مکہ کے سرداروں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ان کے دل اور دماغ گواہی دے چکے ہیں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں قرآن ان پر اتمامِ حجت کر چکا ہے اور وہ مان چکے ہیں کہ قرآن کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے' یہ محمد (ﷺ) کا مکمل معجزہ ہے' اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے۔

آیت ۷ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ﴾ ''اللہ نے مہر کر دی ہے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر''۔ ایسا کیوں ہوا؟ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر ابتدا ہی میں نہیں لگا دی گئی' بلکہ جب انہوں نے حق کو پہچاننے کے بعد رد کر دیا تو اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور ان کی سماعت پر بھی۔

﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠﴾ ''اور ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ چکا ہے''۔ یہ مضمون سورۃ یٰسٓ کے شروع میں بہت شرح و بسط کے ساتھ دوبارہ آئے گا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ ''اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔

یہ دوسرے گروہ کا تذکرہ ہو گیا۔ ایک رکوع (کُل سات آیات) میں دو گروہوں کا ذکر سمیٹ لیا گیا۔ ایک وہ گروہ جس نے قرآن کریم کی دعوت سے صحیح صحیح استفادہ کیا' اُن میں طلب ہدایت کا مادہ موجود تھا' ان کی فطرتیں سلیم تھیں' ان کے سامنے دعوت آئی تو انہوں نے قبول کی اور قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ وہ گلستانِ محمدیؐ کے گلِ سرسبد ہیں۔ وہ شجرۂ قرآنی کے نہایت مبارک اور مقدس پھل ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس نے حق کو پہچان بھی لیا' لیکن اپنے تعصب یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کو رد کر دیا۔ اُن کا ذکر بھی بہت اختصار کے ساتھ آ گیا۔ ان کا تفصیلی ذکر آپ کو مکی سورتوں میں ملے گا۔ اب آگے تیسرے گروہ کا ذکر آ رہا ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان
نظر ثانی: حافظ محمد زبیر

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۷۸

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

ق ص ص

قَصَّ (ن) قَصًّا اور **قَصَصًا**: کسی چیز کو قینچی سے کاٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے: (۱) کوئی واقعہ یا قصہ بیان کرنا' سنانا۔ (۲) کسی کے نقوش یا آثار پر چلنا' پیچھا کرنا۔ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ (النحل:۱۱۸) ''اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہوئے' ہم نے حرام کیا اس کو جو ہم نے سنایا آپؐ کو اس سے پہلے۔'' ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (الکہف) ''تو وہ دونوں واپس ہوئے اپنے نقشِ قدم پر پیچھا کرتے ہوئے۔''

قُصِّ اور **اُقْصُصْ**: فعل امر ہیں (مضاعف میں فعل امر ادغام کے ساتھ اور ادغام

کے بغیر' دونوں طرح استعمال ہوتا ہے): تو سنا' تو پیچھا کر۔ ﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ﴾ (القصص:۱۱) ''اور انہوں نے کہا ان کی بہن سے تو پیچھا کر اُن کا۔'' ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف) ''پس آپ بیان کریں واقعات شاید وہ لوگ غور و فکر کریں۔''

قِصَّةٌ ج قَصَصٌ (اسم ذات): واقعہ' قصہ۔ ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ.....﴾ (یوسف:۱۱۱) ''یقیناً ان کے قصوں میں ایک عبرت ہے.....''

قِصَاصٌ: کسی جرم یا کسی کام کا بدلہ (یعنی کام کے آثار کا پیچھا کرتے ہوئے کام کرنے والے تک پہنچنا' تاکہ اس کے ساتھ بھی وہی کام کیا جائے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

ح ر ر

حَرَّ (س) حَرًّا: آزاد ہونا۔

حَرَّ (ن۔ض) حَرَارَةً: گرم ہونا۔

حُرٌّ (صفت): آزاد۔ آیت زیر مطالعہ۔

حَرٌّ (اسم ذات): گرمی۔ ﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ (التوبۃ:۸۱) ''اور ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ مت نکلو گرمی میں۔''

حَرُوْرٌ (فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ): سخت گرمی' لُو' تیز دھوپ۔ ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ﴾ (فاطر) ''اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ۔''

حَرِيْرٌ (فَعِيْلٌ کا وزن): باریک ریشم۔ ﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ (الحج) ''اور ان کا لباس ہے اس میں باریک ریشم۔''

حَرَّرَ (تفعیل) تَحْرِيْرًا: کسی کو آزاد کرنا۔ ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (النساء:۹۲) ''تو ایک مؤمن گردن (یعنی مؤمن غلام) کا آزاد کرنا۔''

مُحَرَّرٌ (اسم المفعول): آزاد کیا ہوا۔ ﴿رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا.....﴾ (آل عمران:۳۵) ''اے میرے ربّ! میں نے نذر کیا تیرے لیے اس کو جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا.....''

ء ن ث

اَنُثَ (ک) اَنَثًا: نرم و ملائم ہونا' مادہ ہونا' عورت ہونا۔

اُنْثٰى ج اِنَاثٌ (فُعْلٰى کا وزن): مادہ' مؤنث۔ ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا﴾

(النساء:۱۱۷) ''وہ لوگ نہیں پکارتے اس کے (یعنی اللہ کے) علاوہ مگر کچھ مونثوں کو۔''

ء د ی

اَدٰی (ض) اَدْیًا: کسی کا حق پہچاننا' حق دینا۔

اَدَاءٌ (اسم ذات): ادائیگی' واپسی۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَدّٰی (تفعیل) تَأْدِیَۃً: حق دار کو اس کا حق واپس کرنا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ.....﴾ (آل عمران:۷۵) ''اور ان میں وہ بھی ہے جو کہ اگر تو امین بنائے اس کو ایک دینار کا تو وہ واپس نہیں کرے گا اس کو تیری طرف.....''

اَدِّ (فعل امر): تو واپس کر۔ اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ (الدخان:۱۸) ''کہ تم لوگ واپس کرو میری طرف اللہ کے بندوں کو۔''

ترکیب: ''کُتِبَ'' ماضی مجہول ہے ''اَلْقِصَاصُ'' اس کا نائب فاعل ہے' جبکہ ''عَلَیْكُمْ'' اور ''فِی الْقَتْلٰی'' متعلق فعل ہیں۔ ''اَلْحُرُّ' وَالْعَبْدُ اور وَالْاُنْثٰی'' تینوں مبتدا ہیں۔ ان کی خبریں ''قِصَاصٌ'' محذوف ہیں' جبکہ ''بِالْحُرِّ' بِالْعَبْدِ اور بِالْاُنْثٰی'' متعلق خبر تھیں جواب قائم مقام خبر ہیں۔ ''فَمَنْ'' مبتدا ہے اور ''عُفِیَ'' سے ''شَیْءٌ'' تک جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ ''عُفِیَ'' ماضی مجہول ہے ''شَیْءٌ'' اس کا نائب فاعل ہے' جبکہ ''لَهٗ'' اور ''مِنْ اَخِیْهِ'' متعلق فعل ہیں۔ ''لَهٗ'' میں ''هٗ'' کی ضمیر ''مَنْ'' کے لیے ہے جو قاتل کے لیے آیا ہے۔ ''اَخِیْ'' کا لفظ مقتول کے ولی کے لیے ہے اور اس کے ساتھ ''هٖ'' کی ضمیر ''مَنْ'' یعنی قاتل کے لیے ہے۔ ''فَاتِّبَاعٌ'' اور ''اَدَاءٌ'' مبتدا نکرہ ہیں' کیونکہ عام قاعدے کا بیان ہے۔ ان دونوں کی خبر محذوف ہے جو ''وَاجِبٌ'' یا ''لَازِمٌ'' ہو سکتی ہے۔ ''بِالْمَعْرُوْفِ اِلَیْهِ اور بِاِحْسَانٍ'' متعلق خبر ہیں۔ ''اِلَیْهِ'' میں ''هٖ'' کی ضمیر ''اَخِیْ'' یعنی مقتول کے ولی کے لیے ہے۔ ''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے۔ ''تَخْفِیْفٌ'' اس کی خبر اوّل ہے اور ''رَحْمَةٌ'' خبر ثانی ہے' جبکہ ''مِنْ رَّبِّكُمْ'' متعلق خبر ہیں۔ ''فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ'' شرط ہے اور ''فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'' جواب شرط ہے۔

ترجمہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اے لوگو جو ایمان لائے ہو — کُتِبَ: فرض کیا گیا

عَلَیْكُمُ: تم لوگوں پر — اَلْقِصَاصُ: بدلہ

فِی الْقَتْلٰی: مقتولوں میں (یعنی مقتولوں کا)
اَلْحُرُّ: (قاتل) آزاد ہے (تو بدلہ ہے)
بِالْحُرِّ: آزاد سے
وَالْعَبْدُ: اور غلام ہے
بِالْعَبْدِ: (تو) غلام سے
وَالْاُنْثٰی: اور عورت ہے
بِالْاُنْثٰی: (تو) عورت سے
فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ: پس جس کے لیے معاف کی گئی
مِنْ اَخِیْهِ: اس کے بھائی (کی طرف) سے
شَیْءٌ: کوئی چیز
فَاتِّبَاعٌ: تو پیروی کرنا ہے
بِالْمَعْرُوْفِ: بھلے طریقے سے
وَاَدَآءٌ: اور ادائیگی ہے
اِلَیْهِ: اس کی طرف
بِاِحْسَانٍ: خوبصورت انداز سے
ذٰلِكَ: یہ
تَخْفِیْفٌ: ہلکا کرنا ہے
مِّنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے ربّ (کی جانب) سے
وَرَحْمَةٌ: اور رحمت ہے
فَمَنِ اعْتَدٰی: پس جو زیادتی کرے گا
بَعْدَ ذٰلِكَ: اس کے بعد
فَلَهٗ: تو اس کے لیے ہے
عَذَابٌ اَلِیْمٌ: ایک دردناک عذاب

نوٹ (۱): مادہ ''ق ت ل'' کی لغت سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۸ کے تحت پیش کر دی گئی ہے۔ وہاں پر لفظ ''قَتْلٰی'' سہواً رہ گیا تھا۔ اب نوٹ کر لیں کہ فَعِیْلٌ کے وزن پر ''قَتِیْلٌ''، بمعنی مقتول آتا ہے اور اس کی جمع ''قَتْلٰی'' ہے۔

نوٹ (۲): عرب کے دو قبائل میں جنگ ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی، آزاد، غلام اور عورتیں قتل ہو گئے۔ ابھی ان کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ ان دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد قصاص لینے کی بات شروع ہوئی تو بڑے قبیلے نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے دوسرے کا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہ کیا جائے۔

اس مطالبہ کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی﴾۔ اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے۔ قاتل اگر عورت یا غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا

ظلم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ (منقول از معارف القرآن)

معارف القرآن، تفہیم القرآن اور دیگر تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آیت کے مذکورہ حصہ میں اصل حکم یہ ہے کہ یہ مت دیکھو کہ مقتول کون ہے۔ وہ خواہ آزاد ہو یا غلام ہو یا عورت ہو بہرصورت قاتل کو گرفتار کرنا اسلامی اجتماعیت ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ یعنی حکومت پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ پھر جب قاتل پر جرم ثابت ہو جائے تو یہ مت دیکھو کہ قاتل آزاد ہے یا غلام ہے یا عورت ہے، بہرصورت بدلے میں اس کو قتل کرنا حکومت پر فرض کیا گیا ہے۔ کسی صدرِ مملکت، حتیٰ کہ کسی ''اسلامی جمہوریہ'' کے صدرِ مملکت کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی قاتل کو معاف کر دے۔ یہ اختیار صرف مقتول کے وارثوں کو حاصل ہے۔

اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ خود قاتل سے بدلہ لیں۔ اس کے لیے حکومت سے رجوع کرنا لازمی ہے۔ پھر اگر وہ قاتل کو معاف نہیں کرتے تو حکومت اس کو قصاص میں قتل کرے گی۔

آیت ۱۷۹

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

ل ب ب

لَبَّ (ن) لَبًّا: کسی چیز کا ست یا جوہر نکالنا، بادام یا اخروٹ وغیرہ کی گری نکالنا۔

لَبَبًا: عقل مند ہونا۔ (انسان کا جوہر اس کی عقل ہے)۔

لُبٌّ ج اَلْبَابٌ (اسم ذات): خالص عقل۔ (جو آمیزش یعنی وہم اور جذبات وغیرہ سے پاک ہو)۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب: ''حَیٰوۃٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ ''لَکُمْ'' قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ ''فِی الْقِصَاصِ'' متعلق خبر ہے۔ ''اُولِی'' مضاف ہے اور حرفِ ندا ''یَا'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''اَلْاَلْبَابِ'' مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ:

وَلَكُمْ: اور تم لوگوں کے لیے	فِي الْقِصَاصِ: (قتل کے) بدلے میں
حَيٰوةٌ: زندگی ہے	يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ: اے عقل والو

لَعَلَّكُمْ: شاید کہ تم لوگ تَتَّقُوْنَ: تقویٰ اختیار کرو

آیت ۱۸۰

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

ت ر ك

تَرَكَ (ن) تَرْكًا: کسی چیز کو چھوڑ دینا۔ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ.....﴾ (النساء:۷) ''مردوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے.....''

اُتْرُكْ (فعل امر): تو چھوڑ دے، ترک کر دے۔ ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ﴾ (الدّخان:۲۴) ''اور آپ چھوڑ دیں سمندر کو تھما ہوا۔''

تَارِكٌ (اسم الفاعل): چھوڑنے والا۔ ﴿اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝﴾ (الصّٰفّٰت) ''کیا ہم لوگ اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے ہیں ایک مجنون شاعر کے لیے؟''

ترکیب: ''اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ'' اور ''اِنْ تَرَكَ خَيْرًا'' شرط ہے۔ باقی آیت جواب شرط ہے۔ ''كُتِبَ'' ماضی مجہول ہے اور اس کا نائب فاعل ''الْوَصِيَّةُ'' ہے۔ ''عَلَيْكُمْ'' اور ''لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ'' متعلق فعل ہیں، جبکہ ''حَقًّا'' مفعول مطلق ہے ''كُتِبَ الْوَصِيَّةُ'' کا۔

ترجمہ:

كُتِبَ: فرض کیا گیا	عَلَيْكُمْ: تم لوگوں پر
اِذَا: جب کبھی	حَضَرَ: سامنے آئے
اَحَدَكُمُ: تم میں سے کسی ایک کے	الْمَوْتُ: موت
اِنْ: (اور) اگر	تَرَكَ: اس نے چھوڑا
خَيْرًا: کچھ مال	الْوَصِيَّةُ: وصیت کو
لِلْوَالِدَيْنِ: والدین کے لیے	وَالْاَقْرَبِيْنَ: اور قرابت داروں کے لیے
بِالْمَعْرُوْفِ: دستور کے مطابق	حَقًّا: حق ہوتے ہوئے
عَلَى الْمُتَّقِيْنَ: متقی لوگوں پر	

نوٹ (۱): سورۃ النساء میں آیاتِ میراث کے نزول کے بعد ورثاء کے لیے وصیت

کرنا فرض نہیں رہا۔ البتہ غیر ورثاء کے لیے ایک تہائی مال کے اندر اندر وصیت کی جا سکتی ہے۔ دو تہائی مال ورثاء میں لازماً تقسیم ہوگا۔

آیت ۱۸۱

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترکیب: ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ'' شرط ہے اور ''فَاِنَّمَا'' سے ''يُبَدِّلُوْنَهٗ'' تک جوابِ شرط ہے۔ ''بَدَّلَهٗ'، ''سَمِعَهٗ'' اور ''يُبَدِّلُوْنَهٗ'' میں ''هٗ'' کی مذکر ضمیریں ''اَلْوَصِيَّةُ'' کے لیے آئی ہیں جو کہ مؤنث ہے۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے لیکن سیاق و سباق کا تقاضا ہے کہ ان ضمیروں کو ''اَلْوَصِيَّةُ'' کے لیے ہی مانا جائے۔ اس کا جواز تلاش کرنے سے بہتر ہے کہ اس صورت حال کو ہم قرآن مجید کے ایک استثناء کے طور پر قبول کر لیں۔ ''اِثْمُهٗ'' میں ''هٗ'' کی ضمیر ''بَدَّلَ'' کے مصدر ''تَبْدِيْلٌ'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

فَمَنْ : پس جس نے	بَدَّلَهٗ : تبدیل کیا اس کو
بَعْدَ مَا : اس کے بعد کہ جو	سَمِعَهٗ : اس نے سنا اس کو
فَاِنَّمَا : تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	اِثْمُهٗ : اس کا گناہ
عَلَى الَّذِيْنَ : ان لوگوں پر ہے جو	يُبَدِّلُوْنَهٗ : تبدیل کرتے ہیں اس کو
اِنَّ اللّٰهَ : یقیناً اللہ	سَمِيْعٌ : سننے والا ہے
عَلِيْمٌ : جاننے والا ہے	

آیت ۱۸۲

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ج ن ف

جَنِفَ (س) جَنَفًا: راستہ سے ہٹ جانا' فیصلے میں جانبداری کرنا۔

جَنَفٌ (اسم ذات): جانبداری' معروف سے انحراف۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَجَانَفَ (تفاعل) تَجَانُفًا: کسی کی طرف مائل ہونا' جھکنا۔
مُتَجَانِفٌ (اسم الفاعل): مائل ہونے والا' جھکنے والا۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ .....﴾ (المائدۃ:۳) ''پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں جھکنے والا نہ ہوتے ہوئے گناہ کی طرف.....''

ترکیب: ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''خَافَ'' سے ''بَيْنَهُمْ'' تک شرط ہے اور ''فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ'' جواب شرط ہے۔ ''مِنْ مُّوْصٍ'' متعلق فعل ہے' جبکہ ''جَنَفًا'' اور ''اِثْمًا'' دونوں ''خَافَ'' کے مفعول ہیں۔ ''فَاَصْلَحَ'' کا مفعول ''اَلْوَصِيَّةُ'' محذوف ہے۔ ''بَيْنَهُمْ'' میں ''هُمْ'' کی ضمیر اُن لوگوں کے لیے ہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ ''اِثْمَ'' سے پہلے لائے نفی جنس ہے۔

ترجمہ:

فَمَنْ: پس جس کو	خَافَ: اندیشہ ہو
مِنْ مُّوْصٍ: کسی وصیت کرنے والے سے	جَنَفًا: جانبداری کا
اَوْ اِثْمًا: یا کسی گناہ کا	فَاَصْلَحَ: پھر اس نے درست کر دیا (یعنی دستور کے مطابق کر دیا)
بَيْنَهُمْ: ان لوگوں کے مابین	فَلَا اِثْمَ: تو کوئی گناہ نہیں ہے
عَلَيْهِ: اس پر	اِنَّ اللّٰهَ: یقیناً اللہ
غَفُوْرٌ: بے انتہا بخشنے والا ہے	رَّحِيْمٌ: ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

نوٹ (۱): اگر کسی وصیت میں جانبداری کا پہلو ہو تو گواہوں کی طرف سے اس میں اصلاح کی کوشش وصیت تبدیل کرنے کے ضمن میں نہیں آئے گی' جس کی گزشتہ آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔ البتہ گواہوں کو خود وصیت میں اصلاح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر موقع ہو تو وصیت سنتے وقت وصیت کرنے والے کو اس میں اصلاح پر آمادہ کرے۔ بصورتِ دیگر وصیت صحیح بیان کرنے کے بعد وارثوں کی باہمی رضامندی سے اس میں اصلاح کرائے۔

آیت ۱۸۳

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ص و م

صَامَ (ن) صِيَامًا : کسی کام سے رک جانا' روزہ رکھنا۔ ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ.....﴾ (البقرۃ:۱۸۴) ''اور یہ کہ تم لوگ روزہ رکھو زیادہ بہتر ہے تم لوگوں کے لیے.....''

صَوْمٌ (اسم ذات | واحد اور جمع دونوں کے لیے ا): کسی کام سے رک جانے کا عہد' روزہ۔ ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝﴾ (مریم) ''میں نے منت مانی الرحمٰن کے لیے ایک روزے کی' پس میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔''

صَائِمٌ (فَاعِلٌ کے وزن پر صفت): روزہ رکھنے والا' روزہ دار۔ ﴿وَالصَّائِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ.....﴾ (الاحزاب:۳۵) ''اور روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں.....''

ترکیب : ''يٰٓاَيُّهَا'' ندا اور ''الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' منادیٰ ہے۔ ''كُتِبَ'' ماضی مجہول ہے اور ''الصِّيَامُ'' اس کا نائب فاعل ہے' جبکہ ''عَلَيْكُمْ'' متعلق فعل ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو جو	اٰمَنُوْا : ایمان لائے
كُتِبَ : فرض کیا گیا	عَلَيْكُمُ : تم لوگوں پر
الصِّيَامُ : روزہ رکھنے کو	كَمَا : جیسا کہ
كُتِبَ : فرض کیا گیا	عَلَى الَّذِيْنَ : ان لوگوں پر جو
مِنْ قَبْلِكُمْ : تم سے پہلے تھے	لَعَلَّكُمْ : شاید کہ تم لوگ
تَتَّقُوْنَ : تقویٰ اختیار کرو	

آیت ۱۸۴

﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

س ف ر

سَفَرَ (ن) سَفْرًا : کسی چیز سے پردہ اٹھانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں

استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) لکھنا' حقائق سے پردہ اٹھانا۔ (۲) سفر پر روانہ ہونا' راستوں سے پردہ اٹھانا۔

سَفَرٌ ج اَسْفَارٌ (اسم ذات): سفر۔ آیت زیر مطالعہ۔ ﴿رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا﴾ (سبا:۱۹) ''اے ہمارے ربّ! تو دراز کر دے ہمارے سفروں کے درمیان (یعنی منزلوں کو)''

سِفْرٌ ج اَسْفَارٌ (اسم ذات): کتاب۔ ﴿کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (الجمعۃ:۵) ''اس گدھے کی مثال کی مانند ہے جو اٹھاتا ہے کتابیں۔''

سَافِرٌ ج سَفَرَۃٌ (اسم الفاعل) لکھنے والا۔ ﴿بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ﴾ (عبس) ''لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔''

اَسْفَرَ (افعال) **اِسْفَارًا**: کسی چیز کے رنگ سے پردہ اٹھنا' چمکنا' روشن ہونا۔ ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ (المدثر) ''اور صبح جب وہ روشن ہو۔''

مُسْفِرٌ (اسم الفاعل): چمکنے والا' روشن ہونے والا۔ ﴿وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ﴾ (عبس) ''کچھ چہرے اس دن روشن ہونے والے ہیں۔''

ط و ق

طَاقَ (ن) **طَوْقًا**: گلے میں حلقہ یا طوق ہونا' کسی کام کی اہلیت یا طاقت ہونا۔

طَاقَۃٌ (اسم ذات): قدرت' طاقت۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اے ہمارے ربّ! تو وہ بوجھ نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہے ہم کو۔''

اَطَاقَ (افعال) **اِطَاقَۃً**: کسی کام کو کرنے کی طاقت یا قدرت رکھنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب: مرکب توصیفی ''اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ'' گزشتہ آیت کے ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ'' کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''کَانَ'' سے ''عَلٰی سَفَرٍ'' تک شرط ہے اور ''فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ'' جوابِ شرط ہے۔ ''کَانَ'' کا اسم اس میں شامل ''ھُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لیے ہے۔ جبکہ ''مَرِیْضًا'' خبر ہے۔ ''عَلٰی سَفَرٍ'' قائم مقام خبر ہے۔ اس جملہ میں آفاقی صداقت کا بیان ہے اس لیے ''کَانَ'' کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

''فَعِدَّۃٌ'' مبتدأ نکرہ ہے' کیونکہ عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ اس کی خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے۔ متعلق خبر ''اَیَّامٍ اُخَرَ'' مرکب توصیفی ہے۔ ''فُعْلٰی'' کی جمع ''فُعَلٌ'' کے وزن پر ''اُخَرٌ'' آنا چاہیے' لیکن یہ خلافِ قاعدہ ''اُخَرُ'' غیر منصرف استعمال

ہوتا ہے۔ اور ''اُخَرَ'' یہاں ''اَیَّامٍ'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ ''فِدْیَۃٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی بھی خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے۔ ''عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ'' قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ''یُطِیْقُوْنَہٗ'' میں ''ہٗ'' کی ضمیر ''اَلصِّیَامُ'' کے لیے ہے۔ ''طَعَامُ مِسْکِیْنٍ'' بدل ہے ''فِدْیَۃٌ'' کا۔

ترجمہ:

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ : گنے ہوئے کچھ دن ہیں	فَمَنْ کَانَ : پس جو ہو
مِنْکُمْ : تم میں سے	مَّرِیْضًا : مریض
اَوْ عَلٰی سَفَرٍ : یا کسی سفر پر	فَعِدَّۃٌ : تو شمار ہے
مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ : دوسرے کسی دنوں سے	وَعَلَی الَّذِیْنَ : اور ان لوگوں پر جو
یُطِیْقُوْنَہٗ : طاقت رکھتے ہیں اس کی	فِدْیَۃٌ : فدیہ ہے
طَعَامُ مِسْکِیْنٍ : ایک مسکین کا کھانا	فَمَنْ تَطَوَّعَ : پھر جو نفلاً زیادہ کرے
خَیْرًا : کسی نیکی کو	فَھُوَ خَیْرٌ : تو یہ بہتر ہے
لَّہٗ : اس کے لیے	وَاَنْ : اور یہ کہ
تَصُوْمُوْا : تم لوگ روزہ رکھو	خَیْرٌ : زیادہ اچھا ہے
لَّکُمْ : تمہارے لیے	اِنْ کُنْتُمْ : اگر تم لوگ
تَعْلَمُوْنَ : جانتے ہو	

نوٹ (۱) : اسلام کے دیگر احکام کی طرح روزے کو بھی بتدریج فرض کیا گیا۔ شروع میں ہر مہینہ کے تین دن روزہ رکھنے کی ہدایت تھی، لیکن یہ فرض نہیں تھا۔ پھر مدینہ میں یہ آیات نازل ہوئیں جس میں روزہ فرض کیا گیا۔ اس میں مریض اور مسافر کے علاوہ ان لوگوں کو بھی رخصت دی گئی جو طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہیں رکھنا چاہتے تھے کہ وہ روزے کے بدلے فدیہ دے دیں۔ یہ بھی عبوری حکم تھا۔ حتمی حکم کی آیات بعد میں نازل ہوئیں۔

نوٹ (۲) : ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، لیکن زندگی کی گہما گہمی میں ہمیں یہ احساس نہیں رہتا کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اور جس حال میں ہوتے ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے اور ہم جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے (۵۷/۴)۔ اللہ

کے حاضر وناظر ہونے کے احساس کا تقویٰ کے ساتھ ایک مثبت ربط (Positive Correlation) ہے۔ یہ احساس جیسے جیسے زیادہ ہوتا ہے تقویٰ کی کیفیت بھی اسی تناسب سے گہری ہوتی ہے۔ اور یہ احساس جتنا کم ہوگا تقویٰ میں بھی اتنی کمی ہو جائے گی۔

اب نوٹ کریں کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کُل کا کُل مدار اس احساس پر ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لاشعور کی سطح سے اس احساس کو بلند کر کے اگر ہم پورے شعوری احساس کے ساتھ ایک مہینے کے روزے رکھیں تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ رمضان کے بعد بھی تقویٰ کی کیفیت برقرار رہے۔

آیت ۱۸۵

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

ش ھ ر

شَهَرَ (ف) شَهْرًا: (۱) کسی کی مشہوری کرنا۔ (۲) ایک مہینہ کی مدت گزارنا۔

شَهْرٌ ج شُهُوْرٌ اور اَشْهُرٌ (اسم ذات): مہینہ، ماہ۔ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا.....﴾ (التوبۃ:۳۶) ''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں.....'' ﴿فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ (التوبۃ:۲) ''پس گھوم پھرلو زمین میں چار مہینے۔''

ر م ض

رَمِضَ (س) رَمَضًا: دن کا گرم ہونا، گرم زمین پر پاؤں جلنا۔

رَمَضَانُ: ہجری سال کا نواں مہینہ، رمضان۔ آیت زیر مطالعہ۔

ق ر ء

قَرَأَ (ف) قُرْاناً اور قِرَاءَةً: دو چیزوں کو اکٹھا کرنا، جمع کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: (۱) پڑھنا (پڑھنے والا الفاظ کو اکٹھا کرتا ہے)۔ (۲) پڑھ کر سنانا۔ اس معنی میں ''عَلٰی'' کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ (۳) مدت

گزارنا۔ (کسی مقررہ وقت کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے لمحہ کو اکٹھا کرنے سے ایک مدت وجود میں آتی ہے)۔ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیمۃ) ''پھر جب ہم پڑھیں اس کو تو آپؐ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی۔'' ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ.....﴾ (بنی اسراء یل:۱۰۶) ''اور قرآن' ہم نے الگ الگ کیا اس کو تاکہ آپؐ پڑھ کر سنائیں اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر.....''

اِقْرَاْ (فعل امر): تو پڑھ۔ ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ (بنی اسراء یل:۱۴) ''تو پڑھ اپنی کتاب کو۔''

قُرْاٰنٌ (اسم ذات بھی ہے): پڑھی جانے والی چیز' پیغام' خط' کتاب وغیرہ۔ اصطلاحاً اب اس لفظ کا استعمال صرف آخری وحی کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے کسی اور کتاب وغیرہ کے لیے اس کا استعمال غلط مانا جاتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

قُرْءٌ ج قُرُوْءٌ (اسم ذات): مدت۔ قرآن مجید میں اسے خواتین کے ایک طہر اور حیض کی جامع مدت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۸) ''اور طلاق دی ہوئی خواتین رکی رہتی ہیں اپنے نفس سے تین مدتوں تک۔''

اَقْرَاَ (افعال) اِقْرَاءً: کسی کو پڑھانا۔ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝﴾ (الاعلیٰ) ''ہم پڑھائیں گے آپؐ کو پھر آپؐ نہیں بھولیں گے۔''

ی س ر

یَسُرَ (ض۔ک) یَسْرًا: نرم و آسان ہونا (لازم)' نرم و آسان کرنا (متعدی)' رزق و روزی میں کشادہ ہونا۔

مَیْسُوْرٌ (اسم المفعول): نرم و آسان کیا ہوا۔ ﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝﴾ (بنی اسراء یل) ''پس تو کہہ ان سے نرم کی ہوئی بات۔''

یَسِیْرٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت): نرم' آسان۔ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝﴾ (الحج) ''یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے۔''

یُسْرٰی (فُعْلٰی کا وزن ہے): نرمی' سہولت' کشادگی۔ ﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝﴾ (الاعلیٰ) ''اور ہم پہنچائیں گے آپؐ کو کشادگی اور سہولت تک۔''

یُسْرٌ (اسم ذات): نرمی' آسانی۔ ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ (الانشراح) ''پس یقیناً سختی کے ساتھ نرمی ہے' یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

مَیْسَرَةٌ: رزق میں کشادگی۔ ﴿فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۸۰) ''تو مہلت ہے

رزق میں کشادگی تک۔''

مَیْسِرٌ : جوا' سٹہ۔ ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) ''یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے جوئے اور شراب کے بارے میں۔''

یَسَّرَ (تفعیل) تَیْسِیْرًا: (۱) کسی چیز کو کسی کے لیے رفتہ رفتہ آسان کر دینا۔ (۲) کسی کو کسی جگہ پہنچا دینا (یعنی رفتہ رفتہ راستہ آسان کرنا)۔ ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ﴾ (القمر:۱۷) ''اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو یاددہانی کے لیے۔'' پہنچانے کے مفہوم کے لیے سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۸ دیکھیں۔

یَسِّرْ (فعل امر): تو آسان کر۔ ﴿وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ﴾ (طٰہٰ) ''اور تو آسان کر دے میرے لیے میرے کام کو۔''

تَیَسَّرَ (تفعّل) تَیَسُّرًا: آسان ہونا۔ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (المزمّل:۲۰) ''تو تم لوگ پڑھو اس کو جو آسان ہو قرآن میں سے۔''

اِسْتَیْسَرَ (استفعال) اِسْتِیْسَارًا: آسان سمجھنا۔ ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ﴾ (البقرۃ:۱۹۶) ''پھر اگر تم لوگ گھیر لیے جاؤ تو جو آسان ہو قربانی میں سے۔''

ع س ر

عَسُرَ (س ۔ ك) عُسْرًا: سخت اور دشوار ہونا' رزق میں تنگ دست ہونا۔

عَسِرٌ (صفت): سخت' مشکل۔ ﴿یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ﴾ (القمر) ''کہیں گے کافر لوگ یہ ایک سخت دن ہے۔''

عَسِیْرٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت): سخت' دشوار۔ ﴿وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا﴾ (الفرقان) ''اور کافروں پر وہ ایک سخت دن ہوگا۔''

عُسْرٌ (اسم ذات): سختی' تنگی۔ آیت زیر مطالعہ۔

عُسْرٰی (فُعْلٰی کا وزن ہے): سختی' دشواری۔ ﴿فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی﴾ (اللّیل) ''پس ہم پہنچائیں گے اس کو سختی اور دشواری تک۔''

تَعَاسَرَ (تفاعل) تَعَاسُرًا: باہم سختی کرنا' ضد کرنا۔ ﴿وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَہٗٓ اُخْرٰی﴾ (الطلاق) ''اور اگر باہم ضد کرو گے تو دودھ پلائے گی اس کے لیے دوسری۔''

ك م ل

كَمُلَ (ک) كَمَالاً: کسی چیز کے اجزاء اور صفات کی کمی کا ختم ہونا' مکمل ہونا' پورا ہونا۔

کَامِلٌ (فَاعِلٌ کے وزن پر صفت): پورا ہونے والا' یعنی پورا' مکمل۔ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ..... (النحل:۲۵) ''تاکہ وہ لوگ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن .....''

اَكْمَلَ (افعال) اِكْمَالاً: پورا کرنا' مکمل کرنا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ..... (المائدۃ:۳) ''آج کے دن میں نے مکمل کیا تمہارے لیے تمہارے نظامِ حیات کو .....''

ترکیب: ''شَهْرُ رَمَضَانَ'' خبر ہے۔ اس کا مبتدأ ''هِيَ'' محذوف ہے جو کہ ''اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ'' کا بدل ہے۔ ''اَلَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ'' صفت ہے ''شَهْرُ رَمَضَانَ'' کی۔ ''هُدًى'' اور ''بَيِّنٰتٍ'' حال ہیں ''الْقُرْاٰنُ'' کے' اس لیے نصب میں ہیں۔ ''فَمَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ'' شرط ہے اور ''فَلْيَصُمْهُ'' جوابِ شرط ہے۔ ''الشَّهْرَ'' پر لامِ تعریف ہے اور ''فَلْيَصُمْهُ'' فعل امر غائب ہے اور اس میں ''هُ'' کی ضمیر ''الشَّهْرَ'' کے لیے ہے۔

ترجمہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ: (یہ) رمضان کا مہینہ ہے	اَلَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ: اتارا گیا جس میں
الْقُرْاٰنُ: قرآن کو	هُدًى: ہدایت ہوتے ہوئے
لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لیے	وَبَيِّنٰتٍ: اور واضح ہوتے ہوئے
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ: ہدایت اور فرقان میں سے	فَمَنْ: پس جو
شَهِدَ: موجود ہو	مِنْكُمُ: تم میں سے
الشَّهْرَ: اس مہینہ میں	فَلْيَصُمْهُ: تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس میں
وَمَنْ كَانَ: اور جو ہو	مَرِيْضًا: مریض
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ: یا کسی سفر پر	فَعِدَّةٌ: تو گنتی ہے
مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ: دوسرے کسی دنوں سے	يُرِيْدُ اللّٰهُ: اللہ چاہتا ہے
بِكُمُ: تم لوگوں کے لیے	الْيُسْرَ: آسانی

وَلَا يُرِيْدُ :اور وہ نہیں چاہتا	بِكُمُ :تم لوگوں کے لیے
الْعُسْرَ :سختی	وَلِتُكْمِلُوا :اور تا کہ تم لوگ پورا کرو
الْعِدَّةَ :گنتی کو	وَلِتُكَبِّرُوا :اور تا کہ تم لوگ بڑائی بیان کرو
اللّٰهَ :اللہ کی	عَلٰى مَا :اس پر جو
هَدٰىكُمْ :اس نے ہدایت دی تم کو	وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ :اور شاید کہ تم لوگ شکر ادا کرو

نوٹ (۱) : یہ روزوں کا حتمی حکم ہے۔ اس میں مریض اور مسافر کی رعایت برقرار رکھی گئی ہے، لیکن فدیہ دے کر روزہ نہ رکھنے کی رعایت منسوخ کر دی گئی۔

❀ ❀ ❀ ❀

بقیہ: حرفِ اوّل

بعض لوگوں کے نزدیک قرآن کی اصل افادیت اس کے وہ متبرک کلمات ہیں جن کا وِرد ان کے روزمرہ کے مسائل اور مشکلات میں نفع بخش ہے۔ ان کی ساری دلچسپی قرآن کے اُن مقامات سے ہوتی ہے جو چند آیات کی تلاوت پر پورے قرآن کی تلاوت کے ثواب، یا نزع کی سختیوں کو دور کرنے یا دفع آفات و بلیات کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مقامات کا وِرد تو ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن انہیں غور و فکر کا مرکز پھر بھی نہیں گردانا جاتا۔

قرآن پر اس انداز کا ظلم ڈھانے والوں کی حقیقت منکشف کرتے ہوئے مفسرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور نے ایک خوبصورت تمثیل بیان کی ہے کہ ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ان کو ایک توپ دی گئی کہ وہ اس کے ذریعے سے شیطان کے قلعے مسمار کریں لیکن وہ اس کو مچھر مارنے کی مشین سمجھ بیٹھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے مسلمانوں کے لیے ناممکن ہے کہ قرآن سے وہ فائدہ اٹھا سکیں جس کے لیے فی الحقیقت وہ نازل ہوا ہے۔ ○○

سلسلۂ نباتاتِ قرآن (قسط 13)

کافور

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

قرآنی نام: کافور
اردو: کافور
ہندی، گجراتی، بنگالی: مہندی
انگریزی: Camphor- Henna
عبرانی: Copher
جرمن: Kufrose
خاندان نباتات: Lythracease

قرآن مجید میں کافور کا ذکر صرف ایک مرتبہ سورۃ الدہر کی آیت ۵ میں آیا ہے:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾

''نیک لوگ جنت میں شراب کے ایسے جام پئیں گے جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی''

اور اگلی آیت میں کافور کی تعریف بھی مقرر کر دی گئی:

﴿عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴾

''یہ (یعنی کافور) ایک بہتا چشمہ ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''کافور سے مراد یہاں معروف کافور نہیں ہے۔ قرآن نے خود وضاحت فرما دی ہے کہ یہ جنت کا ایک چشمہ ہے جس کے کنارے بیٹھ کر اللہ کے خاص بندے شراب نوش کریں گے اور اس چشمے کے پانی کی ملونی سے اس کے کیف و سرور کو دوچند کریں گے۔ رہا یہ سوال کہ اس کا نام کافور کیوں رکھا گیا؟ تو ناموں سے متعلق اس طرح کا سوال اگرچہ پیدا نہیں ہوتا، تاہم ذہن اس طرف جاتا ضرور ہے کہ اسم اور مسمّٰی میں کوئی مناسبت ہوگی۔ یہ مناسبت کس نوع کی ہے، اس کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اس

کی اصل حقیقت اُسی دن اور انہی خاص بندوں پر کھلے گی جن کو اس سے بہرہ مند ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی بھی یہی رائے ہے:

''وہ کافور ملا ہوا پانی نہ ہوگا' بلکہ ایسا قدرتی چشمہ ہوگا جس کے پانی کی صفائی اور ٹھنڈک اور خوشبو کافور سے ملتی جلتی ہوگی''۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی ''تفسیر ماجدی'' میں لکھتے ہیں:

''کافور کے فوائد اس دنیا میں بھی اطبا کو مُسلّم ہیں' اور پھر وہ کافور تو جنت کا کافور ہو گا۔ اس کی خوبیوں کا کیا پوچھنا۔ یہاں یہ خوب خیال رہے کہ دنیا کی جس چیز سے بھی جنت کی کسی نعمت کو تشبیہہ دی جاتی ہے' وہ تشبیہہ اُس چیز کے صرف حسن وخوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے' نہ کہ کسی ضَرر یا قُبح کے لحاظ سے۔ دنیا کے کافور میں اگر کچھ مضرتیں ہوں بھی' تو جنت کے کافور پر اُن کا کیا اثر! ٹھیک اس طرح جیسے دنیا کی شراب کے سُکر وفتورِ عقل کا مطلق کوئی اثر شرابِ جنت کی لذت وسرور پر نہیں۔''

ان آیات کی تشریح پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں ان الفاظ میں کی ہے:

''ابرار کے ساتھ جو ذرّہ نوازی کا برتاؤ کیا جائے گا' ان آیات میں اُس کا ذکر ہو رہا ہے۔ چند الفاظ کی تشریح پہلے سن لیں:

''الابرار'' جمع ہے۔ اس کا واحد بَرٌّ ہے جو بِرٌّ سے ماخوذ ہے۔ بِرٌّ نیکی کرنے اور صدقہ واحسان کو کہتے ہیں۔ بَرٌّ اس کو کہتے ہیں جو اپنی زندگی اپنے ربّ کی فرمانبرداری میں گزار دے۔

کَاْس: اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب بھری ہو۔ جام' ساغر۔

مزاج: ملاوٹ' آمیزش۔

کافُور: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کافور ملا ہوگا' بلکہ خود تصریح فرمادی کہ کافور جنت کے ایک چشمے کا نام ہے۔ اس کی وجۂ تسمیہ یہ ہوسکتی ہے کہ کافور کی طرح اس چشمے کے پانی کی رنگت سفید بُراق ہوگی۔ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوگی اور اس سے کافور کی مہک آ رہی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں تشریف فرما ہوں گے تو انہیں شرابِ طہور کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے اور اس میں جو پانی ملایا جائے گا' وہ اس چشمے کا ہوگا جس کی رنگت' خوشبو اور خنکی کافور

کی مانند ہوگی۔''

کافور کی نباتاتی خصوصیات یہ ہیں: یہ ایک سفید' شفاف اور چمکیلا مرکب ہے جس میں تیز بو ہوتی ہے۔ ایک خاص قسم کے درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیبارٹری میں کاربن' ہائیڈروجن اور آکسیجن کے مرکب ($C_{10}H_{16}O$) سے تیار کیا جاتا ہے۔ 176 سنٹی گریڈ پر یہ پگھل جاتا ہے اور 204 سنٹی گریڈ پر بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ پانی میں حل نہیں ہوتا لیکن اس میں اپنا ذائقہ پیدا کر دیتا ہے۔

کافور کے درخت زیادہ تر فارموسا کے جزیرے میں پائے جاتے ہیں۔ بورنیو اور سماٹرا کے جزیروں میں بھی اس کے درخت اُگائے جاتے ہیں' لیکن فارموسا کا کافور سب سے بہتر ہوتا ہے۔ کافور کھانے اور لگانے کی ادویہ میں استعمال ہوتا ہے۔ وبائی امراض پھیلنے کی صورت میں لوگ اس کی ٹکیاں پاس رکھتے ہیں جن کی تاثیر سے وبائی کیڑے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ زکام کے لیے بھی اس کا سونگھنا مفید ہے۔ گرم کپڑوں میں کافور رکھنے سے انہیں کیڑا نہیں لگتا۔ کافور سے شمعیں جلائی جاتی ہیں۔ بعض ملکوں میں کافور کے درخت کی لکڑی سے صندوق بنائے جاتے ہیں۔ کافور بہت سی مذہبی رسومات کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ کافور چونکہ بہت ٹھنڈا ہوتا ہے' اس لیے میت پر چھڑکا جاتا ہے' تاکہ جلد خراب نہ ہونے پائے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد

کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 30 روپے اشاعت عام: 15 روپے

طبعی غیرت

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ ﷺ فِيْ بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ: ((غَارَتْ اُمُّكُمْ)) ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَاَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِيْ بَيْتِ الَّتِيْ كَسَرَتْ

[صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الغيرة]

حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت اُمہات المؤمنین میں سے کسی نے آپؐ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا۔ جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپؐ رونق افروز تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دے دیا۔ پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے۔ اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا: ''(کچھ نہیں) تمہاری ماں کو (اس وقت سوتن کی فطری) غیرت آ گئی تھی''۔ اس کے بعد خادم کو ٹھہرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے اُن کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لئے دے دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا''۔

اسلام میں فطری تقاضوں کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ انسان طبعی طور پر کمزور پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اُس کی ان کمزوریوں کے تحت ہونے والی خطاؤں کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایک شوہر کی دو بیویوں کے درمیان رقابت بھی طبعی خاصہ ہے اس لئے اس کے عدم کی

خواہش بھی روا نہیں۔

اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ہاں رونق افروز تھے تو ایک دوسری زوجہ محترمہ نے خادم کے ہاتھ آپؐ کے لئے پیالے میں کوئی کھانے والی چیز بھیجی۔ یہ عمل اس بیوی کو اچھا نہ لگا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے گھر میں موجود ہوں اور دوسری بیوی انہیں یہاں کھانا بھیجے اور وہ اسے تناول فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سوتن کے اس عمل کو ناپسند کیا اور ناراضگی کے ساتھ خادم کے ہاتھ کو ادنیٰ سے اشارے کے ساتھ ہلا دیا جس سے پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور کھانا زمین پر بکھر گیا آپؐ اٹھ کر پیالے کے ٹکڑوں کو جوڑنے لگے اور پھر پیالے کا کھانا اکٹھا کیا اور خادم سے فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ اس واقعہ کو نہ تو آپؐ نے قابل ملامت سمجھا اور نہ گرفت فرمائی' بلکہ اسے فطری غیرت پر محمول کیا اور قابل مؤاخذہ نہیں سمجھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے دو باتیں ظاہر ہیں۔ ایک تو آپ کا خلق عظیم اور دوسرے انسانی کمزوری کے تحت سرزد ہونے والے افعال پر درگزر کا معاملہ۔ جہاں تک آپؐ کے خلق عظیم کا تعلق ہے وہ تو محتاجِ بیان نہیں۔ کسی ماں نے ایسا فرزند نہیں جنا جس کے عادات واطوار اس قدر بلند ہوں کہ پوری زندگی جود وسخا اور عفو ودرگزر کے اعلیٰ ترین معیار پر پوری اترتی ہو۔ مگر حیاتِ طیبہ کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جس پر انگلی اٹھائی جا سکے' حتیٰ کہ آپؐ کی قبل از نبوت زندگی بھی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مظہر تھی۔ جہاں تک بشری کمزوریوں کا تعلق ہے تو اس کا لحاظ اللہ کی رضا کے مطابق ہر جگہ رکھا گیا ہے۔ بھول جانا انسانی کمزوری ہے چنانچہ بھول چوک کے تحت ہونے والی خطا پر گرفت نہیں ہے۔ روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے سے روزے میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ اسی طرح نیند انسانی کمزوری ہے۔ نیند کے غلبے میں اگر نماز کا وقت گزر جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں' بلکہ جب جاگ آئے اٹھ کر نماز ادا کر لی جائے۔ بھوک انسانی کمزوری ہے چنانچہ قحط کے دنوں میں اناج یا کھانے کی چیز چرانا گناہ تو ہے مگر اس پر قطع ید کی سزا نہیں۔ میلانِ طبع کسی انسان کے اختیار میں نہیں' چنانچہ اگر ایک مرد کی دو بیویاں ہوں تو اسے عدل کا حکم تو ہے مگر اس عدل میں کسی ایک بیوی کی طرف میلانِ طبعی کے تحت کچھ زیادہ رغبت ہو تو وہ بھی درگزر کے قابل ہے۔ کسی کی بیٹی پر سوتن آ جائے تو والدین کی ناخوشی بھی فطری امر ہے' حالانکہ مرد کو دو عورتیں رکھنے کی اجازت ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ دوسرے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں تو اسے پسند نہ فرمایا۔ دنیا میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں' چنانچہ خوشی کے موقع پر اظہارِ خوشی کی اجازت ہے اور غم کے موقع پر اظہارِ غم اور آنسو بہانے پر گرفت نہیں۔ البتہ اظہارِ خوشی میں حدود و قیود کا خیال نہ رکھنا اور غم کے موقع پر بے صبری کے ساتھ گریہ وزاری اور شکوہ و شکایت کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن اور نفلی عبادات میں اس وقت تک مشغول رہنا پسندیدہ ہے جس وقت تک دل لگا رہے اور تکان محسوس نہ ہو۔ جب آمادگی نہ رہے تو چھوڑ دے اور دوسرے کاموں میں لگ جائے۔ بھوک پیاس کی طرح بول و براز کی حاجت بھی فطری تقاضا ہے لہٰذا ایسی حالت میں فرض عبادت کو مؤخر کر کے فراغت حاصل کرنے کو اوّلیت دینا پسندیدہ ہے۔

چونکہ دو عورتوں کے درمیان رقابت کا جذبہ بھی فطری ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے پیالہ توڑنے والی عورت کے فعل کو صرف رقابت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے نہ تو گرفت کی اور نہ ہی کوئی سخت جملہ بولا' بلکہ حقیقت حال کو یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی' یعنی اس نے یہ پسند نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ تو میرے گھر میں ہوں اور میری بجائے کوئی دوسری بیوی اُن کی تواضع کا اہتمام کرے اور اپنے گھر سے کھانا بھیجے۔ البتہ آپؐ نے نقصان کی تلافی کا اہتمام ضرور کیا کہ جس بی بی نے پیالہ توڑا تھا اُس کے ہاں سے ایک پیالہ لے کر اس بی بی کے ہاں بھیج دیا جس کا پیالہ توڑ دیا گیا تھا۔ آپ کے اس عمل سے جہاں کھانا بھیجنے والی بی بی کا نقصان پورا گیا وہاں پیالہ توڑنے والی کو غیرت کے تحت کی گئی اس غلطی کا احساس بھی ہو گیا اور اسے پیالہ توڑنے کے بدلے نیا پیالہ بھی دینا پڑا۔ ○○

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک جامع خطاب

☆ صفحات: 72 ☆ قیمت: 15 روپے

اسلامی نظامِ تعزیرات
اور
''اسلامی'' اور ''رومی'' کوڑے کا فرق

تحریر: انجینئر کرم الٰہی انصاری

گزشتہ دنوں اخبارات میں خبر پڑھی کہ جناب وزیر داخلہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے زیر صدارت اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ چاروں صوبوں کی جیلوں میں کوڑے مارنے کی سزا ختم کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جیلوں کے نظام میں دُوررس نتائج کی حامل اصلاحات کے لیے ایک جامع کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ ایک بہت ہی مستحسن قدم ہے جو قیدیوں کے مفاد میں اٹھایا گیا ہے۔

لیکن اس بارے میں ایک وضاحت ضروری ہے کہ کوڑوں کی جس سزا کو ختم کیا گیا ہے وہ ''رومی'' کوڑا ہے ''اسلامی'' کوڑا نہیں۔ اسلام کے نظامِ تعزیر میں بعض جرائم کی سزا کوڑے مارنے کی صورت میں دی جاتی ہے۔ نہایت ہی مختصر طور پر اسلامی نظامِ تعزیر کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے:

قانونِ قصاص:

یہ قانون قتل یا ایسے جرائم پر لاگو ہوتا ہے جن میں کوئی انسانی عضو مثلاً آنکھ' ناک' کان' ہاتھ اور ٹانگ وغیرہ ضائع ہو گئی ہو۔ اس کی سزا معروف آیت ''جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک.....'' پر مبنی ہے۔ یہ سزا اُس وقت لاگو ہوتی ہے جب جرم عمداً کیا گیا ہو۔ اس قانون کے تحت مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ وہ خون بہا لے کر یا ویسے ہی قاتل کو معاف کر دیں۔

قانونِ دیت:

یہ قانون اُس وقت لاگو ہوتا ہے جب مذکورہ بالا جرائم غیر ارادی طور پر سرزد ہو گئے ہوں' مثلاً شکار پر گولی چلائی لیکن وہ قریب کھڑے لڑکے کو جا لگی' وغیرہ۔ اس قانون کے تحت مجرم کی نہ تو جان لی جاتی ہے اور نہ آنکھ کے بدلے آنکھ ضائع کی جاتی ہے' بلکہ مجرم ایک خاص رقم متاثرہ فریق کو ادا کرتا ہے۔

قانونِ حدود:

یہ اللہ کے خلاف جرائم ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل جرائم شامل ہیں:

۱) زنا بالرضا یا زنا بالجبر: اس جرم کی سزا یہ ہے کہ مجرم اگر منکوحہ ہو' یعنی مرد کی بیوی اور عورت کا شوہر موجود ہو تو اُن کو جرم ثابت ہونے پر سنگسار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر مجرمین کو نکاح کی ضرورت ہو' مثلاً کنوارے مرد و عورت' طلاق یافتہ مرد و عورت یا رنڈوے مرد و عورت' تو اس صورت میں مجرم کو برسرِ عام سو (۱۰۰) کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

۲) قذف: یہ سزا اُس مرد و عورت کو دی جاتی ہے جو کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائے' لیکن اس کے ثبوت میں چار عینی گواہ نہ لا سکے۔ یہ سزا اسّی (۸۰) کوڑے برسرِ عام مارنے کی شکل میں دی جاتی ہے۔

۳) چوری: چوری اگر ایک خاص مالی حد سے زیادہ ہو تو چور چاہے عورت ہو یا مرد اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

۴) شراب نوشی یا شراب فروشی: اگر مجرم پر جرم ثابت ہو جائے تو یہ سزا اسے جوتوں یا چھڑیوں سے مارنے کی شکل میں دی جاتی ہے۔ اس کی سزا چالیس (۴۰) کوڑے بھی منقول ہے۔

قانونِ قسامت:

اگر مجرم نامعلوم ہو تو مدّعی اور جن لوگوں پر مدّعی شک ظاہر کرے' دونوں کو جرم کی شدت کے لحاظ سے ایک خاص مقدار میں قسمیں کھلائی جاتی ہیں۔ قتل کے لیے پچاس (۵۰) قسمیں مقرر ہیں۔ اگر مدعی قسمیں نہ کھائے اور دوسرا فریق کھالے تو وہ سزا سے بری ہو جائے گا۔ اگر دونوں فریق قسمیں کھالیں یا دونوں نہ کھائیں تو پھر حکومت اپنی طرف سے مدعی کو قصاص کا خون بہا یا دیت ادا کر کے معاملہ ختم کر دیتی ہے۔ یہ قانون احادیث کی تمام کتابوں میں منقول ہے۔

قانونِ لعان:

لعان کے معنی لعنت بھیجنے کے ہیں۔ اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس سوائے اپنے کوئی اور گواہ نہ ہو تو اُس سے اَسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا اُسی صورت میں ساقط ہوتی ہے جب وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے' اور پانچویں قسم اس بات کی کھائے کہ اس پر اللہ کی لعنت اگر وہ اپنے الزام میں جھوٹا ہو۔ اگر خاوند یہ قسمیں کھالے تو پھر بیوی پر سے سنگساری کی سزا اُسی صورت میں ساقط ہوتی ہے جب وہ چار قسمیں اس بات کی کھائے کہ اس کا خاوند اپنے الزام میں جھوٹا ہے اور پانچویں اس بات کی کھائے کہ اس پر (یعنی عورت پر) اللہ کی لعنت اگر اس کا خاوند اپنے الزام میں سچا ہو۔

اگر دونوں مذکورہ قسمیں کھالیں تو پھر ان دونوں میں مستقل علیحدگی (طلاق نہیں) کرا دی جاتی ہے۔ اور اگر اس الزام کے نتیجہ میں کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ عورت یعنی ماں سے منسوب ہوگا اور اسی سے یعنی ماں سے ہی وراثت پائے گا۔

فساد فی الارض یا نقصِ امن عامّہ کا قانون:

اس قانون کے احاطہ میں معاشرے کے خلاف جملہ جرائم آ جاتے ہیں' مثلاً عصمت فروشی' بردہ فروشی' منشیات کا عادی ہونا یا منشیات فروشی میں ملوث ہونا' ڈکیتی' مملکت کے خلاف جاسوسی اور دوسری منفی سرگرمیوں میں ملوث ہونا' سمگلنگ' قبضہ گروپ کارروائیاں' گینگ ریپ' دہشت گردی' غیر شادی شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کا گھر سے بھاگ جانا' لڑکیوں کو بوڑھوں کے ہاتھوں فروخت کرنا' شادی شدہ سات سات بچوں کی ماؤں کا آشناؤں کے ساتھ بھاگ جانا' بچوں کو معذور کر کے بھیک منگوانا' عورتوں' مردوں اور بچوں کو اغوا کر لینا' انسانی اعضاء کی تجارت میں ملوث ہونا' سودی کاروبار کرنا (سود لینا یا دینا)' بیگار کیمپ چلانا' غنڈہ ٹیکس یا بھتہ لینا۔ غرض اس کا دائرہ کار بے حد وسیع ہے۔

اس قانون کے تحت مذکورہ قسم کے جرائم کو فساد فی الارض (نقصِ امنِ عامہ) اور اللہ اور رسول کے خلاف جنگ قرار دیا گیا ہے' اور اُن کی سزا یہ ہے کہ (حالات کے مطابق) مجرموں کو قتل کر دیا جائے' یا صلیب پر چڑھا دیا جائے' یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں (یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے) یا اُن کو علاقہ بدر کر دیا جائے۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ وہ پکڑے جائیں' یعنی غیر مشروط طور پر عدالت میں حاضر ہو کر

اپنے جرم کا اعتراف کر لیں تو اُن کو جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جزوی یا مکمل معافی مل سکتی ہے۔ اس سزا کا تفصیلی ذکر سورۃ المائدۃ کی آیات ۳۳ اور ۳۴ میں کیا گیا ہے۔

ان جرائم کے تحت متاثرہ افراد الگ الگ بھی مقدمے دائر کروا سکتے ہیں۔

قانونِ تعزیر (یعنی ہلکی سزا کا قانون):

اس قانون کے تحت معمولی قسم کے جرائم آتے ہیں' مثلاً گالی گلوچ کرنا' ایسی مار کٹائی جس میں نہ تو جسم کا کوئی عضو ضائع ہو اور نہ سنجیدہ زخم آئے' ناپ تول میں کمی کرنا' ایک خاص حد سے کم چوری کرنا' چھوٹی موٹی یا کبھی کبھار رشوت لینا جسے عادت نہ بنایا جائے' کوئی چھوٹی موٹی جنسی حرکت' تادیبی و انتظامی امور (Disciplinary & Efficiency Rules) کی خلاف ورزی کرنا' جوا' لاٹری' وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس قانون کا دائرہ بھی قانون نقصِ امن عامہ کی طرح بے حد وسیع ہے۔ اس قانون کے تحت دس (۱۰) کوڑوں تک کی سزا دی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا اسلامی قوانین سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں فوج داری جرائم میں جیل کی سزا ہے ہی نہیں۔ البتہ بڑے جرائم میں ملوث ملزموں کو مقدمے کے اختتام تک حکومت اپنی یا اپنے کسی شہری کی تحویل میں رکھ سکتی ہے' یعنی ملزموں کو حوالات میں رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض جرائم میں کوڑے مارنے کی سزا موجود ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ایک وضاحت ضروری ہے' وہ یہ کہ ''اسلامی'' اور ''رومی'' کوڑے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جس کوڑے کو محترم وزیرِ داخلہ کے زیرِ صدارت اجلاس میں ختم کیا گیا ہے وہ ''رومی'' کوڑا ہے۔ یہ کوڑا چمڑے کا بنا ہوتا ہے اور اس کو تیل میں بھگو کر اس کی چوٹ لگانے کی شدت میں اور اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس شخص کو یہ کوڑا لگایا جاتا ہے اسے صرف انڈرویئر پہنا کر ٹکٹکی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ کوڑا مارنے والا ملازم جسمانی لحاظ سے بے حد مضبوط ہوتا ہے' اور اس نے بھی صرف انڈرویئر ہی پہن رکھا ہوتا ہے۔ وہ ایک خاص فاصلے سے دوڑ کر آتا ہے اور پوری طاقت سے مجرم کی کمر پر کوڑا برساتا ہے' جو اکثر اوقات مجرم کی کھال کو بلکہ پوری کمر کو اندر تک بے حد زخمی کر دیتا ہے۔ یہ کوڑا رومیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں غیر ملکی قیدیوں کو حکم عدولی کی سزا دینے کے لیے ایجاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی رومیوں نے قیدیوں کو سزا دینے کے لیے بہت بھیانک اور انسانیت سوز سزائیں اپنا رکھی تھیں' مثلاً زندہ قیدی کو شیر یا چیتے کے پنجرے میں پھینک دیا جاتا کہ وہ اگر شیر یا چیتے کو مار دے تو اس کا جرم معاف ہو جائے گا' ورنہ وہ موت کی

صورت میں اپنی سزا شیر یا چیتے کے ہاتھوں بھگتے گا۔ اس کے علاوہ دو مجرم قیدیوں کو پنجرے میں بند کر کے لڑنے کو کہا جاتا کہ جو بچ گیا اس کا جرم معاف۔ عورتوں میں سے جو حاملہ قیدی عورتیں ہوتیں ان کے پیٹوں پر ڈنڈے برسائے جاتے' حتیٰ کہ وہ مر جائیں' وغیرہ۔ موجودہ باکسنگ اور فری سٹائل ریسلنگ اسی سزا کی ترمیم شدہ شکلیں ہیں' جن کو کھیل کے طور پر اپنا لیا گیا ہے۔ یہ ظالمانہ کھیل بھی کم از کم پاکستان کی حد تک ختم ہونے چاہئیں۔

دوسرے عوامل کے علاوہ رومن ایمپائر کے زوال میں ان انسانیت سوز سزاؤں نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ لیکن رومی یہ سزائیں غیر ملکی قیدیوں کو دیتے تھے' لیکن افسوس کہ ہم آزادی کے ۵۸ سال بعد تک بھی ''رومی'' کوڑوں کی سزا اپنے ہی شہریوں کو دیتے رہے۔ خیر اب یہ سزا ختم ہو گئی ہے' لہٰذا ''دیر آید درست آید'' کے مصداق اسے سراہا ہی جائے گا۔

جبکہ ''اسلامی کوڑا'' ایک بید یا کسی اور مضبوط لکڑی کی چھڑی ہوتی ہے جس کی لمبائی دو اور اڑھائی فٹ کے درمیان ہوتی ہے۔ جس مجرم کو یہ کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے نہیں اتروائے جاتے' بلکہ وہ موسم کے مطابق کپڑے پہنے رکھتا ہے۔ اسے ٹکٹکی پر بھی باندھا نہیں جاتا' بلکہ کسی دیوار یا کسی اور اوٹ مثلاً گاڑی وغیرہ کے ساتھ کھڑا کیا جاتا ہے۔ کوڑے مارنے والا ملازم بھی خصوصی طور پر پہلوان نما نہیں ہوتا بلکہ عام جسم کا مالک ہوتا ہے' اور وہ کھڑے ہو کر (بھاگ کر نہیں) کوڑے لگاتا ہے۔ کوڑا اوپر سے نیچے نہیں مارا جاتا' بلکہ سائیڈ سے اس طرح مارا جاتا ہے کہ مارنے والے ملازم کا ہاتھ اس کے کندھے سے بلند نہ ہونے پائے۔ اگر بعض کوڑوں میں اس کا ہاتھ کندھے سے اُوپر اُٹھ جائے تو اتنے ہی کوڑے پھر اس ملازم کو لگائے جاتے ہیں جتنے کوڑوں میں اس کا ہاتھ کندھے سے اوپر اٹھا ہو۔ اس سزا کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سرِ عام یعنی لوگوں کے مجمع میں دی جاتی ہے' تاکہ ایک تو مجرم شرمندہ ہو دوسرے عام لوگ بھی عبرت پکڑیں۔

اس بارے میں اسلامی کوڑوں کی سزا کے متعلق غیر مسلم اقوام نے بے حد پروپیگنڈہ کیا ہے اور اس پروپیگنڈے میں ہمارے نام نہاد ''مسلمان دانشور'' بھی شامل ہیں۔ اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہے کہ عام لوگوں کے ذہن میں یہ تصور جڑ پکڑ چکا ہے کہ اوپر بیان کردہ ''رومی'' کوڑا ہی اسلامی کوڑا ہے' جبکہ یہ سراسر خلافِ حقیقت ہے۔ اسلامی کوڑا آج بھی سعودی عرب میں استعمال ہوتا ہے اور راقم کو اسلامی کوڑوں کی سزا اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا بھی موقع ملا ہے۔ اور بے شمار دیگر افراد بھی جو سعودی عرب میں رہے ہیں یا رہ رہے ہیں' اس

کی گواہی دیں گے۔

لہٰذا گزارش ہے کہ کوڑوں کی سزا کو ختم نہ کیا جائے' بلکہ کوڑوں کی سزا کو ''اسلامی کوڑوں'' کی سزا سے ہم آہنگ کر کے اسے فروغ دیا جائے۔ اس بارے میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ مجرم اگر اعترافِ جرم کر لے (کم از کم چھوٹے جرائم میں) تو وہ لمبے چوڑے مقدموں سے بچ جاتا ہے' اور دس یا اس سے کم کوڑے کھا کر دس منٹ میں فارغ ہو جاتا ہے۔

مزید یہ کہ راقم اس مضمون کے ذریعے تھانوں میں تفتیش کے دوران ملزموں سے اقرارِ جرم کروانے کے لیے ''رولر پھیرنا''، ''چھترول کرنا'' اور اسی نوع کی دیگر ظالمانہ سزائیں بھی ختم کرنے کی استدعا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ تفتیش میں تشدد کی بجائے ذہانت سے کام لیا جائے۔ بدقسمتی سے ہماری پولیس میں بھرتی کا معیار دینداری اور ذہانت کی بجائے چھاتی اور قد کی پیمائش رکھا گیا ہے' جسے بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔

امید ہے متعلقہ حکام اس بارے میں مذکورہ گزارشات پر کما حقہٗ غور فرمائیں گے۔ ظاہر ہے اس بارے میں انقلابی اصلاحات کی ضرورت ہے جو اگر اختیار کر لی جائیں تو ''انصاف گھر کی دہلیز پر'' مہیا ہو سکتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اربابِ اختیار کو یہ انقلابی قدم اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے' آمین ثم آمین!

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات ۱۹۹۱ء میں دیئے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب:

مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

﴿اہم موضوعات﴾. ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم. ایمان کا موضوع . قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث . ایمان و عمل کا باہمی تعلق. ایمان اور نفاق. ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 90 روپے اشاعت عام: 50 روپے

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟ (۳)

تحریر: حافظ محمد زبیر

دلیل ثالث:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْـَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝﴾ (الاحزاب)

''اے ایمان والو! نبی (ﷺ) کے گھروں میں داخل مت ہو مگر یہ کہ تم کو کھانا کھلانے کے لیے بلایا جائے (ایسے وقت میں)' کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرنا پڑے' لیکن جب تم کو (کھانے کے لیے) بلایا جائے تو اسی وقت جاؤ' پھر جب کھانا کھا لو تو (وہاں) سے چلے جاؤ اور باتیں کرنے کے لیے جی لگا کر نہ بیٹھے رہو۔ بے شک تمہارا یہ عمل پیغمبر کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (کچھ کہنے سے) شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق بات کرنے سے نہیں شرماتا۔ اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز

مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ (عمل) بہت زیادہ پاک کرنے والا ہے تمہارے دلوں کو اور ان (ازواجِ مطہرات) کے دلوں کو بھی۔ اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم آپؐ کی بیویوں سے آپؐ (کی وفات) کے بعد کبھی بھی نکاح کرو۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اس کو چھپا لو تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ان (ازواجِ مطہرات) پر کوئی گناہ نہیں اپنے باپوں (سے پردہ نہ کرنے) کے بارے میں اور اپنے بیٹوں سے اور اپنے بھائیوں سے اور اپنے بھتیجوں سے اور اپنے بھانجوں سے اور اپنی (مسلمان) عورتوں سے اور اپنے غلام' لونڈیوں سے' اور تم (اے ازواجِ مطہرات) اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔''

آیۂ مبارکہ کا شانِ نزول

۱) اس آیۂ مبارکہ کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال عمر قلت يا رسول الله يدخل عليك البر والفاجر فلو أمرت أمهات المؤمنين بالحجاب فانزل الله آية الحجاب (۷۸)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ کے گھر میں نیک اور فاسق ہر قسم کے لوگ آتے رہتے ہیں' کاش کہ آپؐ اُمہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں' تو اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت نازل فرما دی۔''

۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت بھی بیان کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

اَنَا اَعْلَمُ الناس بهذه الآية آية الحجاب لما اهديت زينب الى رسول الله ﷺ كانت معه فى البيت ' صنع طعاما ودعا القوم فقعدوا يتحدثون فجعل النبى ﷺ يخرج ثم يرجع وهم قعود يتحدثون فانزل الله تعالى ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ﴾ اِلى قوله ﴿مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ فضرب الحجاب وقام القوم (۷۹)

''مَیں اس آیت یعنی آیتِ حجاب کے (سبب نزول کے) بارے میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپؐ کے لیے تیار کیا گیا اور وہ آپؐ

کے ساتھ گھر میں تھیں' آپؐ نے کھانا تیار کیا اور صحابہؓ کی دعوت (ولیمہ) کی۔ (کھانا کھانے کے بعد) لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگ گئے۔ آپؐ باہر نکلتے اور واپس آتے تو لوگ پھر بھی بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ﴾ سے لے کر ﴿مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ تک وحی نازل فرمائی۔ پس (اس کے بعد) پردہ ڈال دیا گیا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے۔''

آیت کے اجزاء

اس آیۂ مبارکہ میں چار (۴) باتوں کا تذکرہ ہے:

۱) جس مسئلہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ مسئلہ حجاب ہے۔

۲) اس آیت میں خطاب ازواجِ مطہرات ﷺ سے ہے۔

۳) حکم حجاب کے وجوب کا ہے۔

۴) علت طہارتِ قلب کا حصول ہے' یعنی دل پاک ہو جائیں۔

پہلی تین باتیں تو ایسی ہیں جن پر منکرین ومخالفینِ حجاب کا بھی اتفاق ہے۔ لیکن چوتھی بات میں اختلاف ہے۔ اس لیے تمام منکرین حجاب ازواج مطہرات کے لیے تو پردے کا وجوب اس آیت سے ثابت کرتے ہیں' لیکن عام اہل ایمان عورتوں کو اس آیت کے حکم میں شامل نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک یہ آیت مبارکہ ازواجِ مطہرات کے حق میں خاص ہے اور ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم دینے کی علت ان کا احترام واکرام ہے نہ کہ طہارتِ قلب۔ ذیل میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کیا یہ آیت مبارکہ ازواجِ مطہرات کے لیے ہی خاص ہے یا اس کا حکم عام اہل ایمان عورتوں کو بھی شامل ہے؟

حکم کی علت

حجاب کا جو حکم اس آیۂ مبارکہ میں وارد ہوا ہے وہ معلل ہے۔ (یعنی اس کی علت یعنی وجہ بیان کی گئی ہے)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۚ﴾

''(اے مسلمانو!) پس تم ان (ازواجِ مطہرات) سے پردے کے پیچھے سے سوال کرو' اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھی بہت زیادہ پاکیزہ رکھنے والی ہے اور ان کے دلوں کو بھی۔''

حکم کی علت جو کہ نص میں بیان ہوئی ہے وہ ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ ہے۔ یہ علت عام ہے' کیونکہ طہارتِ قلب کی ضرورت جتنی ازواجِ مطہرات کو ہے اتنی ہی عام مسلمان عورتوں کو بھی ہے' لہٰذا علت عام ہوئی' اور علت کا عام ہونا حکم کی عمومیت کی دلیل ہے۔ نص میں مذکور اس قسم کی علت کو معلوم کرنے کے طریقہ کار کو اصولیین کے نزدیک ''مسلك الايماء والتنبيه'' کہتے ہیں۔ امام شوکانیؒ اس مسلک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المسلك الثالث الايماء والتنبيه وضابطه الاقتران بوصف لو لم يكن هو او نظيره للتعليل لكان بعيدا فيحمل على التعليل دفعا للاستبعاد(۸۰)

''مسالک علت میں سے تیسرا مسلک ''الایماء والتنبیہ'' ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حکم کسی ایسے وصف کے ساتھ ملا ہوا ہو کہ اگر وہ وصف یا اس کی نظیر علت نہ ہوتی تو وہ حکم بعید از فہم ہوتا' لہٰذا اس وصف کو اس حکم کی علت بنایا جائے گا تا کہ حکم کی تفہیم میں رکاوٹ کو دور کیا جا سکے۔''

علامہ شنقیطی ''مسلك الايماء والتنبيه'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو ان يقترن وصف بحكم شرعي على وجه لو لم يكن فيه ذلك الوصف علة لذلك الحكم لكان الكلام معيبا عند العارفين(۸۱)

''مسلك الايماء والتنبيه'' یہ ہے کہ کوئی حکم شرعی کسی وصف کے ساتھ اس طرح مل کر آئے کہ اگر وہ وصف اس حکم کی علت نہ بنایا جائے تو وہ کلام عارفین کے نزدیک عیب والا کلام ہوگا''۔

اگر ہم حکم حجاب کے فوراً بعد مذکورہ وصف ''طہارتِ قلوب'' کو اس کی علت نہ مانیں تو یہ کلام ''عیب والا کلام'' شمار ہوگا۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ ''طہارتِ قلوب'' حکمِ حجاب کی علت ہے' کیونکہ کلامِ الٰہی ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔

اصل سے فرع میں حکم کا اجراء

جب حکم کی علت معلوم ہو گئی تو قیاس کے معروف اصول سے حجاب کا حکم ازواجِ مطہرات کی طرح عام اہل ایمان عورتوں کے لیے بھی ثابت ہو گیا۔ ارکانِ قیاس چار ہیں: اصل' فرع' حکم اور علت۔ مذکورہ آیت میں اصل ''ازواجِ مطہرات'' ہیں' فرع ''عام اہل

ایمان کی عورتیں'' ہیں' حکم ''حجاب'' کا ہے اور علت ''طہارتِ قلب'' ہے۔ عام اہل ایمان عورتیں ازواجِ مطہرات کی نسبت ''طہارتِ قلوب'' کی زیادہ محتاج ہیں۔ لہٰذا جب علت کا اصل (ازواجِ مطہرات) کی نسبت فرع (عام اہل ایمان عورتوں) میں زیادہ اثبات ہے تو حکم حجاب بھی ازواجِ مطہرات کی نسبت عام اہل ایمان عورتوں میں زیادہ تاکید کے ساتھ ہوگا۔

آیت حجاب کی عمومیت

یہ آیۂ مبارکہ اُمہات المؤمنین کے ساتھ ساتھ تمام اہل ایمان عورتوں کو بھی شامل ہے۔ درج ذیل قرائن اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں۔

۱) **اصول تفسیر کا قاعدہ**: اصول تفسیر کا یہ قاعدہ ہے ''**العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**''۔(۸۲) کہ تفسیر کرتے ہوئے الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ سببِ نزول کا۔ یہ آیات تو اگرچہ اُمہات المؤمنین کی شان میں نازل ہوئیں' یعنی ان آیات کا سبب نزول خاص ہے' لیکن اعتبار سببِ نزول کی خصوصیت کا نہ ہوگا بلکہ الفاظ کی عمومیت کا ہوگا۔ لہٰذا اس قاعدے کے مطابق اہل ایمان عورتیں بھی اُمہات المؤمنین کی طرح ان آیات کی مخاطب ہیں' کیونکہ قرآن کی اکثر آیات کا نزول کسی خاص سبب سے ہی ہوا ہے۔ اگر ہر آیت مبارکہ کو اس کے سبب نزول کے ساتھ ہی خاص کر دیا جائے تو قرآن کے ابدی احکامات ایک خاص دور کے خاص افراد کے لیے مخصوص ہو کر رہ جائیں گے جو کہ اسلام کی ہمہ گیریت کے منافی ہے۔

۲) **اہل ایمان عورتوں کا عمل**: صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اس آیۂ مبارکہ کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات کے ساتھ ساتھ عام اہل ایمان عورتوں نے بھی پردہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ مسلمان عورتوں کا یہ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیۂ مبارکہ کے احکامات ازواجِ مطہرات کے علاوہ عام مسلمان عورتوں کو بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ:

كنّا نغطي وجوهنا من الرجال وكنا نمتشط قبل ذلك في الاحرام(۸۳)

''ہم اپنے چہروں کو لوگوں سے ڈھانپ لیتی تھیں اور اس سے پہلے احرام کی حالت میں کنگھی بھی کر لیا کرتی تھیں''۔

لہٰذا عام مسلمان عورتوں کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ آیتِ مبارکہ عام ہے۔

۳) دلالت اُولیٰ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں ہی ازواجِ مطہرات کو اُمت مسلمہ کی مائیں قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ جبکہ اس کے ساتھ ساتھ درج ذیل نص ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ازواج مطہرات جو کہ تمام اُمت کی مائیں ہیں اور ان کے ساتھ نکاح کو بھی حرام ٹھہرایا گیا' اس کے باوجود اُن کو پردے کا حکم دیا گیا تو عام مسلمان عورتوں کے بارے میں شر کے خیالات پیدا ہونا ازواج مطہرات کی نسبت زیادہ آسان ہے' لہٰذا عام مسلمان عورتوں کے لیے حجاب کے احکامات بالاولیٰ ثابت ہوتے ہیں۔

۴) آیت مبارکہ کا سیاق وسباق: اس آیۂ مبارکہ کا سیاق وسباق بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ آیت کے شروع میں ہی اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور یہ حکم عام ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس طرح آپؐ کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونا منع ہے اسی طرح عام مسلمانوں کے گھروں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بعد آنے والی آیت بھی حکم حجاب کے عموم کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ﴾

''ان کے اوپر ان کے باپوں کے بارے میں (اُن سے پردہ نہ کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے''۔

اس آیۂ مبارکہ میں حجاب کے حکم سے مستثنیٰ افراد کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس استثناء کی عمومیت پر اجماع ہے۔ یعنی یہ جو مستثنیٰ افراد کی فہرست بیان کی گئی ہے' یہ فہرست صرف ازواجِ مطہرات کے لیے نہیں ہے' بلکہ یہ فہرست عام مسلمان عورتوں کے لیے بھی ہے۔ جب مستثنیٰ عام ہے تو مستثنیٰ منہ یعنی حکم حجاب بھی عام ہے' کیونکہ عام کا استثناء عام سے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے:

لما أمر الله النساء بالحجاب عن الاجانب بين ان هولاء الاقارب لا يجب الاحتجاب منهم كما استثناهم فى سورة النور عند قوله تعالىٰ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ (۸۴)

''جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عورتوں کو (مذکورہ آیت میں) حجاب کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ساتھ ان قریبی رشتہ داروں کی ایک فہرست بھی بیان کر دی جن سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داروں کو سورۃ النور کی آیت ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ میں مستثنیٰ قرار دیا ہے۔''

اس سورۃ کی آیت ۵۹ میں ''نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے الفاظ سے اس بات کی مزید تاکید ہو جاتی ہے کہ یہ حجاب کا حکم عام ہے اور تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے۔

۵) جلیل القدر مفسرین کی آراء: متقدمین ومتاخرین مفسرین کی ایک بہت بڑی تعداد نے اس آیت مبارکہ کے حکم کو عام قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم چند ایک جلیل القدر مفسرین کی عبارات نقل کیے دیتے ہیں:

☆ امام طبریؒ کی رائے: علامہ ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب﴾ يقول : واذا سألتم ازواج رسول الله ﷺ ونساء المؤمنين اللواتى لسن لمن لكم بازواج متاعا "فاسئلوهن من وراء حجاب"(۸۵) يقول :من وراء ستر بينكم وبينهن

''اور جب تم ان سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو''۔ یعنی جب تم اللہ کے رسول ﷺ کی بیویوں اور ان مسلمان عورتوں سے جو کہ تمہاری بیویاں نہیں ہیں' کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔''

☆ علامہ قرطبی کی رائے:

فى هذه الآية دليل على ان الله تعالى اذن فى مسألتهن من وراء حجاب فى حاجة تعرض او مسئلة يستفتين فيها ويدخل فى ذلك جميع النساء بالمعنى وبما تضمنة اصول الشريعة من ان المرأة كلها عورة بدنها وصوتها كما تقدم فلا يجوز كشف ذلك الا لحاجة(۸۶)

''یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردے کے پیچھے سے کسی ضرورت کے تحت یا فتویٰ طلب کرنے کی غرض سے ازواج مطہرات سے بات کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور اس حکم میں تمام عورتیں شامل ہیں' کیونکہ شریعت کے اصولوں

سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت تمام کی تمام پردہ ہے' اس کا سارا جسم بھی اور آواز بھی پردہ ہے' جیسا کہ یہ بحث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ پس عورت کے لیے اپنے جسم کے کسی حصے کو بغیر ضرورت کے کھولنا جائز نہیں ہے۔''

☆ امام ابوبکر الجصاص کی رائے: امام ابوبکر الجصاص اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهذا الحكم وان نزل خاصا فى النبى وازواجه فالمعنى عام فيه وفى غيره اذ كنا مأمورين باتباعه والاقتداء به الا ما خصه الله به دون امته(۸۷)

''یہ حکم اگرچہ نبی ﷺ اور آپؐ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوا ہے لیکن اس آیت کا مفہوم آپؐ اور آپؐ کے غیر دونوں کو شامل ہے' کیونکہ ہمیں ہر بات میں آپؐ کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے' سوائے ان احکامات کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اُمت کے علاوہ آپؐ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔''

۲) اصول فقہ کا قاعدہ: علم الاصول کا یہ قاعدہ ہے کہ واحد کا خطاب تمام اُمت کو شامل ہوتا ہے' کیونکہ سب تکلیف میں سب برابر ہیں' اِلّا یہ کہ اس حکم کی خصوصیت کی کوئی دلیل ہو۔ علامہ البانی اس قاعدے کے بارے میں فرماتے ہیں:

اذا خاطب الشارع الحكيم فردا من الامة او حكم عليه بحكم فهل يكون هذا الحكم عاما فى الامة' الا اذا قام دليل التخصيص؟ او يكون خاصا بذلك المخاطب؟ اختلف فى ذلك علماء الاصول' والحق الاوّل' وهو الذى رجحه الشوكانى وغيره من المحققين (۸۸)

''جب شارع حکیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُمت کے کسی فرد سے خطاب کریں یا اس کو کوئی حکم جاری کریں تو کیا یہ حکم تمام اُمت کے لیے عام ہوگا سوائے اس کے کہ اس کی تخصیص کی کوئی دلیل ہو؟ یا یہ حکم اس مخاطب کے ساتھ خاص ہوگا؟ علمائے اصول کا اس مسئلے میں اختلاف ہے' لیکن پہلا قول حق ہے اور اسی قول کو امام شوکانی اور دوسرے محققین نے ترجیح دی ہے۔''

علامہ شنقیطی مذکورہ اصول کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومن الأدلة على ان حكم آية الحجاب عام :هو ما تقرر فى الاصول

من ان خطاب الواحد یعم حکمه جمیع الامة ولا یختص الحکم بذلك الواحد المخاطب(۸۹)

''آیۂ حجاب کے بیان کردہ حکم کے عام ہونے میں جو دلائل بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ قاعدہ بھی ہے جسے آپ علم الاصول میں اس طرح سے بیان کرتے ہیں: ''واحد کا خطاب تمام اُمت کو شامل ہوتا ہے اور حکم اس اکیلے واحد مخاطب سے متعلق نہیں ہوتا۔''

مذکورہ بالا اصول سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت حجاب عام ہے اور اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے۔

پروفیسر صاحب کی دو غلط فہمیاں اور ان کا جواب

اس آیۂ مبارکہ کی تشریح وتوضیح میں پروفیسر صاحب سے دو جگہ پر غلطی ہوئی' جس کی ہم تصحیح کیے دیتے ہیں۔

۱) حجاب سے کیا مراد ہے؟

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ ''حجاب سے یہاں مراد پہناوا یا لباس نہیں' بلکہ مراد دروازے' دیوار یا کسی اور چیز کی اوٹ ہے''۔(۹۰)

حجاب کا لفظ آڑ' اوٹ یا پردے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الحجاب : الستر ..... والحجاب ما احتجب به وکل ما حال بین شیئین حجاب (۹۱)

''حجاب سے مراد ''پردہ'' ہے۔ اور حجاب کا لفظ ہر اُس چیز کے لیے مستعمل ہے جس کے ذریعے پردہ کیا جائے اور ہر وہ چیز جو کہ دو اشیاء کے درمیان آڑ ہو حجاب کہلاتی ہے۔''

گویا کہ ہر وہ چیز جس کو آڑ' اوٹ یا پردے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہو وہ حجاب ہے چاہے وہ دیوار ہو' دروازہ ہو' لباس ہو یا دیگر کپڑے ہوں۔ اس لحاظ سے لفظ حجاب عام ہے' کسی قسم کی رکاوٹ ہی کیوں نہ ہو یہ لفظ اس کو شامل ہے جبکہ پروفیسر صاحب لفظ حجاب کو دیوار یا دروازے کی آڑ کے ساتھ خاص کر رہے ہیں جو کہ اس کے لغوی مفہوم کے بھی منافی ہے اور اصطلاحی معنی کے بھی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جو علماء لفظ حجاب کا یہ مفہوم مراد لیتے ہیں جو

کہ پروفیسر صاحب بیان کرتے ہیں وہ اس مفہوم کو بیان کر کے ازواج مطہرات کے لیے یہ حکم ثابت کرتے ہیں کہ ان کے لیے اپنی ''ذات'' کو چھپانا بھی واجب تھا۔ حالانکہ یہ موقف بالکل غلط ہے۔ صحیح احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ ازواج مطہرات کو ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی تھی' ان کے لیے پردے میں لوگوں کے سامنے آنے کی رخصت تھی۔ پروفیسر صاحب نے ان علماء کی لفظ حجاب کی مخصوص تشریح تو لے لی لیکن وہ علماء لفظ حجاب کی اس تعبیر سے جو بات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں پروفیسر صاحب خود اس کے قائل نہیں ہیں۔ ازواج مطہرات کے لیے اپنے ''جسم'' کو چھپانا واجب تھا نہ کہ ''ذات'' کو (اس کے لیے چند احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)۔ قاضی عیاضؒ کا موقف یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے لیے اپنی ''ذات'' کو چھپانا بھی واجب تھا۔ ابن حجرؒ قاضی عیاضؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فرض الحجاب مما اختصصن به' فهو فرض عليهن بلاخلاف فی الوجه والكفين فلا يجوز لهن كشف ذلك فی شهادة ولا غيرها ولا اظهار شخوصهن وان كن مستترات (۹۲)

''حجاب کی فرضیت ازواجِ مطہرات کے لیے خاص ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان کے لیے چہرے اور ہاتھوں دونوں کا چھپانا واجب تھا اور ان کے لیے شہادت یا اس قسم کے دوسرے معاملات میں بھی اپنے جسم کے کسی حصے کو ظاہر کرنا جائز نہ تھا' اور ان کے لیے یہ بھی جائز نہ تھا کہ وہ اپنی ذات کو دوسروں پر ظاہر کریں چاہے وہ پردے میں ہی کیوں نہ ہوں۔''

ابنِ حجرؒ قاضی عیاضؒ کے اس موقف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وليس فيما ذكره دليل على ما ادعاه من فرض ذلك عليهن وقد كن بعد النبی يحججن ويطفن وكان الصحابة ومن بعدهم يسمعون منهن الحديث وهن مستترات الابدان لا الاشخاص (۹۳)

''قاضی عیاض نے جو بات کی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ ان پر فرض تھا۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیویاں (نفلی) طواف اور حج کرتی تھیں اور صحابہ کرامؓ ان سے حدیث سنتے اس حال میں کہ انہوں نے اپنے اجسام کو چھپایا ہوتا تھا نہ کہ اپنی ذات کو''۔

اس آیۂ مبارکہ میں ذات کو چھپانا مقصود کلام نہیں ہے' بلکہ جسم کو چھپانا کلام کا مقصود ہے' چاہے کپڑے سے ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری اس رائے کی تائید جلیل القدر مفسرین کی آراء سے بھی ہوتی ہے۔

☆ ابن جریر طبری کے نزدیک حجاب کا مفہوم: ابن جریر طبری آیت ﴿فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ کی تعبیر میں فرماتے ہیں:

سوالکم ایاھن المتاع اذا سألتموھن ذلك من وراء حجاب اطھر لقلوبکم وقلوبھن من عوارض العین فیھا التی تعرض فی صدور الرجال من امر النساء وفی صدور النساء من أمر الرجال واحدی من ان لا یکون للشیطان علیکم وعلیھن سبیل(۹۴)

''تمہارا ان ازواجِ مطہرات سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا پردے کے پیچھے سے ہونا چاہیے' یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں میں بھی آنکھ سے پیدا ہونے والے غلط جذبات و خیالات کو پاک کرنے والی ہے جو کہ مردوں کے دلوں میں عورتوں سے متعلق پیدا ہو جاتے ہیں اور عورتوں کے دلوں میں مردوں سے متعلق پیدا ہوتے ہیں' اور زیادہ مطلوب یہی ہے کہ تمہارے معاملے میں یا ان کے معاملے میں شیطان کو کوئی راستہ نہ مل سکے''۔

☆ امام رازی کے نزدیک لفظ حجاب کا مفہوم: امام رازی فرماتے ہیں:

قولہ ﴿فاسئلوھن من وراء حجاب﴾ امر بسدل الستر علیھن وذلك لایکون الا بکونھن مستورات محجوبات وکان الحجاب وجب علیھن(۹۵)

''﴿ فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ یہ حکم ہے کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکا لیں اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ وہ پردے میں چھپی ہوئی ہوں اور ان پر حجاب واجب تھا''۔

۲) حجاب کی علت

پروفیسر صاحب کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے حجاب کے حکم کی اس علت کو نظرانداز کرتے ہوئے جو کہ نص میں بیان ہوئی ہے' احترام واکرام کو حکم کی علت بنایا ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''ایک اچھے معاشرے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عورت کا احترام کیا جائے۔ اس اعتبار سے ازواجِ مطہرات خاص احترام کی سزاوار ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے مقام و مرتبہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکم دیا گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے ان کو جیتے جی یا وفات کے بعد تکلیف ہو' اسی احترام کے پیشِ نظر آپؐ کی ازواج کو آپؐ کی وفات کے بعد شادی کی اجازت نہیں دی گئی''۔(۹۶)

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہمارے لیے حد درجہ قابلِ احترام واکرام ہیں' لیکن مذکورہ بالا آیت میں دیے گئے حکمِ حجاب کی علت بہرحال آپؐ یا ازواجِ مطہرات کا احترام واکرام نہیں ہے' جیسا کہ تمام منکرین حجاب یہی علت بیان کرتے ہیں' بلکہ اس حکم کی اصل علت تطہیرِ قلوب ہے جو کہ نص میں بیان ہوگئی ہے۔ جو لوگ ''حرمتِ ازواج'' کو حکمِ حجاب کی علت بناتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ حرمت صرف ازواج کے لیے مخصوص تھی کہ ان کو تو حجاب کا حکم دے دیا اور بیٹیوں کے لیے یہ حرمت ثابت نہیں ہوتی' اس لیے بیٹیوں کو حجاب کا حکم نہ تھا؟ اور یہ امر واقعہ ہے کہ تمام منکرین حجاب ازواجِ مطہرات کے لیے تو پردہ واجب قرار دیتے ہیں' لیکن آپ ﷺ کی بیٹیوں کے لیے کسی قسم کے پردے کا اثبات نہیں کرتے۔ ہمارا پروفیسر صاحب سے یہ سوال ہے کہ نبی ﷺ کی بیٹیوں کے لیے پردہ تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو اس کی دلیل کیا ہے اور اگر نہیں تھا تو جو علت ازواجِ مطہرات کے پردے کے حوالے سے آپ یا منکرین حجاب بیان کر رہے ہیں اس علت سے آپ ﷺ کی بیٹیوں کے لیے بھی پردہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی بعض بیٹیاں' آپؐ کی بعض بیویوں سے بھی عزت وحرمت میں بڑھ کر ہیں' جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آپ ﷺ کا فرمان بھی موجود ہے: ((سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ))(۹۷) کہ ''آپؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔''

دلیل رابع:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَۃٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾﴾ (النور)

''اور بڑی بوڑھی عورتوں میں سے وہ جو کہ نکاح کی امید نہیں رکھتیں' تو ان کے اوپر

کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (اضافی) کپڑے اتار رکھیں اس حال میں کہ وہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں۔ اور اگر وہ بچ کر رہیں تو یہ ان کے لیے بہت زیادہ بہتر ہے' اور اللہ تعالیٰ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

اس آیۂ مبارکہ میں بوڑھی عورتوں کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ اگر اپنے اضافی کپڑے مثلاً جلباب وغیرہ اتار دیں اور ان کا چہرہ ظاہر بھی ہو جائے تو ان کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے' لیکن اس رخصت کو دو شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا:

۱) وہ عورتیں ایسی ہوں کہ جو بڑھاپے کی وجہ سے نکاح سے مایوس ہو چکی ہوں' یعنی نہ ہی ان کو حیض آتا ہو' نہ ہی حمل ٹھہرنے کی کوئی امید ہو' نہ ان کے اندر کوئی جنسی خواہش ہو اور نہ ان کے حوالے سے کسی کو جنسی خواہش پیدا ہو سکتی ہو۔

۲) دوسری شرط یہ لگائی کہ وہ عورتیں زیب و زینت کے ساتھ یعنی بناؤ سنگھار کر کے اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتیں' اگر وہ کھلے چہرے کے ساتھ اجنبی افراد کے سامنے آنا چاہتی ہیں تو انہیں بغیر میک اپ کے سادہ چہرے کے ساتھ اجنبیوں کے سامنے آنے کی رخصت ہے۔

لیکن ان دو شرائط کے بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ: ﴿ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ﴾ ''اگر وہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لیے بہت زیادہ بہتر ہے''۔ یعنی اگر وہ پردہ کریں تو یہ ان کے لیے افضل ہے' اگر نہ کریں تو رخصت ہے۔

ثیاب سے مراد:

ثیاب سے مراد اضافی کپڑے ہیں' مثلاً جلباب یا نقاب وغیرہ' نہ کہ دوپٹہ یا سینے کو ڈھانپنے والی چادر' جیسا کہ مفسرین نے اس کی وضاحت کی ہے۔

ابن جریر طبری ﴿فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فليس عليهن حرج ولا اثم ان يضعن ثيابهن يعنى جلابيبهن وهى القناع الذى يكون فوق الخمار والرداء الذى يكون فوق الثياب لا حرج عليهن ان يضعن ذلك عند المحارم من الرجال وغير المحارم من الغرباء غير متبرجات بزينة (۹۸)

''ان (بوڑھی عورتوں) پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ اپنے کپڑے یعنی جلباب وغیرہ

اتار کر رکھ دیں' اور جلباب سے مراد وہ نقاب ہے جو کہ دوپٹے کے اوپر لیا جاتا ہے اور وہ چادر ہے جو کہ کپڑوں کے اوپر لی جاتی ہے۔ ان عورتوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ یہ نقاب یا چادر اپنے محرم اور غیر محرم افراد کے سامنے اتار رکھیں' لیکن زینت ظاہر نہ کریں۔''

امام بغوی آیت ﴿فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

يعني يضعن بعض ثيابهن وهي الجلباب والرداء الذي فوق الثوب والقناع الذي فوق الخمار فأما الخمار فلا يجوز وضعه (۹۹)

''(کپڑے اتارنے سے) مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بعض کپڑے اتار رکھیں اور وہ جلباب اور چادر ہے جو کہ کپڑوں کے اوپر ہوتی ہے یا وہ نقاب جو کہ دوپٹے کے اوپر ہوتا ہے۔ جہاں تک دوپٹے کا تعلق ہے اس کا اتارنا جائز نہیں ہے۔''

علامہ زمخشری ''ثیاب'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمراد بالثياب الظاهرة كالملحفة والجلباب الذي فوق الخمار (۱۰۰)

''ثیاب'' سے مراد وہ کپڑے ہیں جو کہ ظاہر ہوں (یعنی اوپر اوڑھے ہوں۔ مثلاً اوڑھنی) اور جلباب ہے جو کہ دوپٹے کے اوپر ہوتا ہے۔''

آیت ہٰذا سے چہرے کے پردے پر استدلال؟

آیت مبارکہ میں ''فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ'' کے الفاظ کے ذریعے ''اَلْقَوَاعِد'' یعنی بوڑھی عورتوں کو پردہ نہ کرنے کی رخصت دی گئی ہے اور اس کا ''مفہوم مخالف'' یہ ہے کہ جو عورتیں جوان ہیں اور وہ نکاح کی اُمید رکھتی ہیں' اگر وہ پردہ نہ کریں گی تو گناہگار ہوں گی۔ آیت کے الفاظ ہیں: ''فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ'' کہ ان بوڑھی عورتوں پر گناہ نہیں ہے۔ گویا کہ کچھ ہیں جن پر گناہ بھی ہے اور یہ وہ عورتیں ہیں جو کہ بوڑھی نہ ہوں' یعنی جوان ہوں۔ استدلال کا یہ طریقہ کار اصولیین کے نزدیک مفہوم مخالف کہلاتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ''مفہوم مخالف'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو دلالة الكلام على نفي الحكم الثابت للمذكور عن السكوت ' لانتفاء قيد من قيود المنطوق ويسمى دليل الخطاب لان دليله من جنس الخطاب اولأن الخطاب دل عليه (۱۰۱)

''مفہومِ مخالف سے مراد یہ ہے کہ جو حکم (خطاب الفاظ سے) سے ثابت ہو رہا ہے کلام اس کے برعکس حکم کی نفی پر دلالت کرے اور اس کی وجہ منطوق کی قیود میں کسی قید کا نہ ہونا ہو' اس کو ''دلیلِ خطاب'' بھی کہتے ہیں' کیونکہ یہ دلیل جنسِ خطاب میں سے ہے یا خطاب اس پر دلالت کرتا ہے۔''

حواشی

۷۸) رواہ البخاری' کتاب التفسیر' باب قولہ ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ .....﴾

۷۹) رواہ البخاری' کتاب التفسیر' باب قولہ ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ .....﴾

۸۰) ارشاد الفحول' امام شوکانی' ص ۱۹۷۔

۸۱) اضواء البیان' علامہ شنقیطی' جلد٦' ص ۵۸۵۔

۸۲) القواعد الحسان' عبدالرحمن بن ناصر السعدی' ص ۷' مکتبۃ المعارف الریاض۔

۸۳) المستدرك علی الصحیحین' امام حاکم' جلد۱' ص ٤٥٤۔

۸٤) تفسیر ابن کثیر' علامہ ابن کثیر' جلد۳' ص ٥٥٦' مطبعۃ دارالسلام ریاض۔

۸٥) تفسیر طبری' ابن جریر طبری' جلد ۱۰' ص ۳۲٥' دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

۸٦) الجامع لاحکام القرآن' امام قرطبی' جلد۷' ص ۲۲۷' مکتبۃ الغزالی دمشق۔

۸۷) احکام القرآن' امام ابوبکر الجصاص' جلد۳' ص ۳۷۰' دارالکتاب العربی بیروت۔

۸۸) تمام المنۃ' علامہ البانی' ص ٤۱' دار الرایۃ ریاض۔

۸۹) اضواء البیان' علامہ شنقیطی' جلد٦' ص ۵۸۹۔

۹۰) ماہنامہ اشراق' اگست ۲۰۰٥' ص ۳۷۔

۹۱) لسان العرب' ابن منظور الافریقی' جلد۱' ص ۲۹۸' دار صادر بیروت۔

۹۲) فتح الباری' علامہ ابن حجر عسقلانی' جلد۸' ص ٥۳۰' المکتبۃ السلفیۃ۔

۹۳) فتح الباری' علامہ ابن حجر عسقلانی' جلد۸' ص ٥۳۰' المکتبۃ السلفیۃ۔

۹٤) تفسیر طبری' ابن جریر طبری' جلد ۱۰' ص ۳۲٥' دارالکتب العلمیۃ' بیروت۔

۹٥) تفسیر کبیر' امام رازی' جلد۱۳' ص ۲۲٦' دارالکتب العلمیۃ طہران۔

۹٦) ماہنامہ اشراق' اگست ۲۰۰٥' ص ۳۷۔

۹۷) رواہ البخاری' کتاب المناقب' باب علامات النبوۃ۔

۹۸) تفسیر طبری' ابن جریر طبری' جلد۹' ص ۳٤۸' دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

۹۹) تفسیر بغوی' امام بغوی' جلد٤' ص ٤٤۹' دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

۱۰۰) تفسیر کشاف' علامہ زمخشری' جلد۳' ص ۸٦' طہران۔

۱۰۱) اصول الفقہ الاسلامی' ڈاکٹر وھبہ الزھیلی' جلد۱' ص ۳٦۲' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی وفات

ایک عہد کا خاتمہ

تحریر: مولانا محمد ذکوان ندوی

تعمیر حیات کے تازہ شمارہ بابت ۱۰ دسمبر ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی کی وفات (۱۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء) پر مولانا عبداللہ عباس ندوی (پیدائش: ۱۹۲۶ء) کا لکھا ہوا ایک مضمون پڑھا، جن کو آج پہلی بار ﷺ کی دعا کے ساتھ یاد کرنا پڑ رہا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنے مذکورہ سینئر ندوی ساتھی کی وفات پر لکھتے ہوئے کہا تھا کہ: ''مرحوم دارالعلوم میں مجھ سے ایک سال سینئر تھے۔ اُس دَور کے تقریباً تمام ہی لوگ راہیٔ عدم ہو چکے..... اب شاید ہی کوئی اس گروہ میں باقی رہا ہو۔ جو زندہ ہیں ''کشتۂ تیغِ حیات ہیں''۔ (صفحہ ۲۲)

کس کو معلوم تھا کہ مولانا موصوف مذکورہ سطریں لکھ کر خود یکم جنوری ۲۰۰۶ء کو ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن) نے جب مجھے مولانا کے انتقال کی خبر دی تو مجھے ایسا لگا جیسے وہ موت کے کنارے کھڑے ہو کر یہ سطریں تحریر کر رہے تھے، اور زبانِ حال سے یہ پیغام دے رہے تھے کہ:

آج وہ، کل ہماری باری ہے!

مولانا کا نام پہلی بار میں نے اُس وقت سنا جبکہ میں عربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ایک تابع ادارہ 'مدرسہ جلیلیہ' قصبہ جرول (بہرائچ، یوپی) میں ۱۹۹۲ء کو داخل ہوا۔ میں نے وہاں مولانا کی ایک کتاب ''تفہیم المنطق'' دیکھی۔ سائنس اور منطق (logic) سے مجھے ذہنی طور پر مناسبت تھی۔ اس لیے بعد کو ۱۹۹۵ء میں جب میں ندوہ میں داخل ہوا، اور وہاں اپنے نصابِ درس میں ''تفہیم المنطق'' پڑھی تو مجھے قدیم منطق کی نصابی کتابوں کے برعکس، اس کتاب کے سادہ اور سلجھے ہوئے اسلوب اور دل نشیں اندازِ

بیان نے بہت متأثر کیا۔ میرے دل میں مولانا کی بڑی قدر پیدا ہوگئی۔ میں نے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر مختصر تعارف اور ملاقات کے بعد کتاب کے متعلق اپنا یہ شدید تأثر اُن کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کے بعد برابر مولانا سے میری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

ایک بار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (وفات: ۱۹۹۹ء) مولانا عبداللہ عباس ندوی سے مہمان خانہ (ندوہ) میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ میں ایک ضروری کام سے اجازت لے کر اندر داخل ہوا تو حضرت مولانا نے مجھے حسبِ معمول ''الکاتب المجید'' کہہ کر یاد کیا' اور فرمایا کہ ''مجھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ایک طُغریٰ لکھ دیجیے''۔ میں نے اگلے دن یہ طغریٰ لکھ کر دیا تو مولانا محمد مرتضیٰ مظاہریؒ (وفات: ۱۹۹۶ء) نے فریم کر کے اُس کو تکیہ (رائے بریلی) کے مہمان خانے میں آویزاں کر دیا۔ اس موقع پر حضرت مولانا کو مجھے ''الکاتب المجید'' کہتے ہوئے سن کر مولانا عبداللہ عباس ندویؒ صاحب بھی مجھ کو اسی لقب سے یاد کرنے لگے۔ اور پھر حسبِ ضرورت' اپنے مختلف مضامین اور مسوّدات کی تبییض اور کتابت کا کام مجھ سے لینے لگے۔ اس طرح مولانا سے میرا قریبی تعلق قائم ہوگیا۔

مولانا سے اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ ۲۰۰۱ء میں جب ہم چند ساتھیوں نے مل کر رستم نگر (چوک' لکھنؤ ۳) میں ایک تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی' اور اپنے ایک دوست حافظ محمد سلمان نوری کے اصرار پر مولانا سے اُس ادارے کے لیے کچھ تصدیقی کلمات تحریر کرنے کی درخواست کی' تو مولانا نے فوراً بخوشی میری اس درخواست کو قبول فرمایا' اور بہت تاکیدی اور بلند الفاظ میں ہمارے ادارے کے لیے تصدیقی کلمات تحریر فرمائے۔ یہ تعلیمی ادارہ اس وقت تک قائم ہے' اور وہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا افضال الرحمٰن قاسمی کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔

کتابت کی نسبت سے مولانا کے پاس میرا جاتے رہنا اُن سے قریبی تعلق اور استفادے کا ایک قیمتی ذریعہ بن گیا۔ میں جب بھی جاتا' دیر تک بلاتکلف مولانا سے سوالات اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ یہاں میں اِس نسبت سے صرف دو واقعات کا ذکر کروں گا۔ طالب علمی کے زمانے میں وجد (ecstasy) کو میں سب سے بڑی چیز سمجھتا تھا' اور اس طرح کی کیفیات ہی کو اصل معرفت سمجھتا تھا۔ ایک بار حضرت مولانا کی مجلس میں خود اُن کی زبانی' اور مولانا محمد منظور نعمانی (وفات ۱۹۹۷ء) کے ایک واقعے کے حوالے سے مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ (وفات: ۱۹۶۶ء) کی حالتِ نماز اور اس میں ان کے استغراق کا ذکر سن کر

عجیب کیفیت ہوئی۔ میں نے مولانا سے اس کے متعلق سوال کرتے ہوئے پوچھا کہ ''نماز کو اس طرح پُر کیف کیسے بنایا جائے''؟ میں سمجھتا تھا کہ مولانا کوئی پراسرار نسخہ بتائیں گے۔ مگر مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''عزیزم! فرائض کی پابندی کیجیے اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مشغول رکھیے۔ یہ وقتی کیفیات ہیں جو ہر بندۂ مؤمن پر حسب حال گزرتی رہتی ہیں۔'' مولانا نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ ''ہمارے لیے بہترین نمونہ صرف رسول ﷺ اور اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) کا ہے' جو عبادت کا بالکل فطری طریقہ ہے' اور وہ ہر حال میں اور ہر شخص کے لیے آسان اور قابل عمل ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!''

مولانا کا یہ جواب مجھے دل کی آواز معلوم ہوا' اور میں پوری طرح مطمئن ہو گیا۔

ندوۃ العلماء سے فراغت (۱۹۹۸ء) کے وقت میں نے مولانا سے اپنی اگلی زندگی کے لیے مشورہ کیا تو مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا: ''الرزق علی اللہ'' اور اس کے بعد کہا کہ ''دعا کرتے رہیے' خدا کوئی مناسب حل نکال دے گا''۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی غفراللہ لہ کو قرآن اور سیرت سے گہرا تعلق تھا' بلکہ میرے علم کے مطابق' ان کا اصل موضوع یہی دو چیزیں تھیں۔ مولانا نے ان دونوں موضوعات پر قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ قرآن اور سیرت کے موضوع پر اُن کی عربی اور اردو کی چند اہم کتابوں کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں:

۱) ترجمات معانی القرآن وتطوّر فهمه عند العرب

۲) مذاهب المنحرفين فی التفسير

۳) شرح كتاب النكت فی اعجاز القرآن

۴) پیغمبر اخلاق وانسانیت

۵) تاریخ تدوین حدیث

۶) آفتابِ نبوت کی چند کرنیں۔

تصنیف وتالیف اور تدریس کے علاوہ' انتظامی امور میں بھی مولانا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ تقریباً ۲۶ سال تک وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے معتمد تعلیمات رہے۔

مولانا کی صحت عموماً ٹھیک رہتی تھی۔ چہل قدمی مولانا کی عادت تھی۔ تہجد کے بعد اور فجر سے پہلے ندوہ کے احاطے میں سیر کرنا مولانا کا معمول تھا۔ میں اسٹاک ہوم (سویڈن) میں تھا

کہ رمضان ۱۹۹۳ء میں برادرم محمد طلحہ ندوی (مقیم طائف) کے ذریعے اچانک معلوم ہوا کہ مولانا سخت علیل ہیں۔ میں نے مولانا کو فون کیا' اور مزاج پُرسی وغم گساری کے طور پر ایک تحریر بذریعہ فیکس مولانا کو مکہ مکرمہ کے پتے پر روانہ کی۔ مولانا نے میرے خط کا فوراً جواب دیا۔ بہت خوش ہوئے' دعائیں دیں اور اپنی علالت کا حال اور قدرے تفصیل بیان فرمائی۔ مولانا کا وہ خط بطورِ یادگار میرے پاس محفوظ ہے۔

بلند پایہ علماء کا اس دنیا سے رخصت ہو جانا کوئی سادہ بات نہیں' بلکہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۸۱-۷۲۰ء) کے بقول ''ذهاب العلماء'' کا ایک سنگین واقعہ ہے۔ (فتح الباری ۱/۲۳۴) اس واقعے کی سنگینی یہ ہے کہ اس سے مراد صرف ایک عالم کی وفات نہیں' بلکہ یہ پورے دَور کا خاتمہ ہے۔ اُمت کے اندر سے ایسے علماء کا اٹھ جانا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ از روئے حدیث نبویؐ:

((اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ)) (۱)

ایک اور حدیث نبویؐ میں واضح طور پر اس کی صراحت موجود ہے کہ ''رفع علم'' سے مراد علماء کا اٹھ جانا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ)) (۲)

یہ اُس آخری اور زوال آمادہ دَور کی علامت ہے جبکہ صالح اور صاحبِ معرفت افراد ایک ایک کر کے جاتے رہیں گے' اور بالآخر ایسے سطحی اور بے قیمت لوگ باقی رہ جائیں گے جن کا خدا کے نزدیک نہ کوئی وزن ہوگا اور نہ خدا کو اُن کی کوئی پروا۔ حدیث نبویؐ ہے:

((يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ ' وَيَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً)) (۳)

یہ نازک لمحہ ہمیں اس کا آخری پیغام دے رہا ہے کہ ہم اپنے تمام مسلکی اور گروہی تعصبات سے بلند ہو کر اُمت اور انسانیت کی سطح پر جینے کا فیصلہ کریں' اور اُمت کے باقی ماندہ اہل علم اور اداروں کو' اختلافات کے باوجود' اپنا تعاون دے کر اس بھیانک خلا کو پُر کرنے کی کوشش کریں۔ ملت کے بڑے اس معاملے میں اگر صرف اپنے کھلے اعتراف کا ثبوت دیں اور آگے بڑھیں تو عین ممکن ہے کہ ملت کے چھوٹے اتحاد اور تعمیر کے اس عظیم جہاد میں اُن کا

ساتھ دیں' اور کل خدا کے سامنے انہیں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ:

﴿رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۝ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا۝﴾ (الاحزاب)

''پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہم کو راستے سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے ربّ! اُن کو دوہرا عذاب دے اور ان پر بھاری لعنت کر!''

اِس دنیا میں مجرد اتحاد ممکن نہیں۔ ''اختلاف کے باوجود اتحاد'' ہی یہاں واحد قابل عمل چیز ہے' اور آج اُمت کو سب سے زیادہ ضرورت اسی اتحاد اور تعمیر کی ہے۔ خوش نصیب ہے وہ قوم جو اپنے بڑوں کی رحلت سے اتحاد' زندگی اور تعمیر کا مثبت سبق لے سکے۔

حواشی

۱) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب رفع العلم وظهور الجهل۔ وصحیح مسلم' کتاب العلم' باب رفع العلم وقبضه.....الخ۔

۲) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب کیف یقبض العلم۔ وصحیح مسلم' کتاب العلم' باب رفع العلم وقبضه..... الخ۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب ذهاب الصالحین ویقال الذهاب المطر۔

اسلام کے نظامِ تعلیم وتربیت میں اجتماعِ جمعہ کی اہمیت

اور ——— خطبۂ جمعہ کی اہمیت اور اصل غرض وغایت سے آگاہی کے لیے مطالعہ کیجیے:

خطبۂ جمعہ

عربی متن کا ترجمہ وتشریح

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے چند خطابات جمعہ کی تلخیص

◈ عمدہ طباعت ◈ سفید کاغذ ◈ قیمت: 30 روپے

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : اسلامی آداب واخلاق

مصنف : مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی

ضخامت : 160 صفحات ۔ قیمت: الوقف للہ

ملنے کا پتہ: مرکزی انجمن سہروردیہ۔ایف 137 سنٹرل ایونیو روڈ' ایس۔آئی۔ٹی۔ای۔کراچی

رسول اللہ ﷺ کی زندگی بنی نوع انسان کے لیے اعلیٰ نمونہ ہے۔آپؐ کے اقوال وافعال اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے آپؐ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے۔اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے۔اگر کوئی پسندیدہ ترین آدابِ زندگی معلوم کرنا چاہے تو اسے آپ ﷺ کی زندگی سے مکمل راہنمائی مل جائے گی۔آنحضور ﷺ کی عبادت کا انداز' آپؐ کے پسندیدہ معمولات' آپؐ کے معاملات' غرض زندگی کے ہر شعبہ کے لیے آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں راہنمائی موجود ہے۔اس کتاب کے مصنف نے کئی کتابوں کا خلاصہ اس کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے۔سو سے زیادہ عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ذریعے زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل واضح کیا گیا ہے۔چنانچہ کسی انسان کو جو بھی صورتِ حال پیش آئے' اس کتاب کے ذریعے اسے اس کے بارے میں صحیح اسلامی تعلیمات مل سکتی ہیں۔

کتاب میں جابجا قرآنی آیات اور احادیث نبوی درج کی گئی ہیں' مگر اُن پر حرکات نہیں لگائی گئیں' لہٰذا ان کو صحیح طور پر پڑھنا عام قاری کے لیے دشوار ہے۔خاص طور پر جو مسنون دعائیں درج ہیں' چونکہ اُن پر حرکات نہیں ہیں اس لیے اُن کو صحیح تلفظ کے ساتھ یاد کرنا ممکن نہیں۔ اگلے ایڈیشن میں اگر حرکات لگا دی جائیں تو کتاب کی افادیت زیادہ ہو جائے گی۔

کہیں کہیں مصنف نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ذریعے راہنمائی کرتے ہوئے

کچھ اضافی چیزیں بیان کر دی ہیں جن کو سند کا درجہ حاصل نہیں۔ مثلاً زیارتِ قبور کے سلسلہ میں مسنون طرزِ عمل واضح کرنے کے بعد انہوں نے چند مخصوص قرآنی آیات پڑھنے کی ہدایت کی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں' جبکہ بات تو وہی پختہ ہے جو حدیث نبویؐ ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' کے تحت ہو۔

عمومی طور پر کتاب بہت مفید ہے۔ عمدہ سفید کاغذ پر کمپوزنگ معیاری اور خوبصورت ہے اور ٹائٹل دلکش ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں البتہ ''الوقف للہ'' لکھا ہوا ہے۔

(۲)

نام کتابچہ : تربیتِ اولاد کے ضمن میں والدین کی شرعی ذمہ داریاں

مصنف : حافظ محبوب احمد خان

ضخامت : 30 صفحات ۔ قیمت: 15 روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمۃ للعالمین' 758/3 جامع مسجد رحمۃ للعالمین' نذیر پارک' غازی روڈ لاہور

حافظ محبوب احمد خان اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسلامی ذہن رکھنے والے نوجوان ہیں۔ خدمتِ خلق اور اشاعت اسلام اُن کا مشغلہ ہے۔ دینی اور اخلاقی موضوعات پر اُن کی تحریریں رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں اکثر و بیشتر والدین کے حقوق پر زور دیا جاتا ہے اور اولاد کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی جاتی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے' مگر والدین کو اپنی ذمہ داریوں سے غفلت بھی ہرگز زیب نہیں دیتی۔ جب والدین اولاد کے معاملہ میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے تو وہ اولاد سے حسن سلوک کی توقع رکھنے میں کیسے حق بجانب ہو سکتے ہیں!

زیرِ تبصرہ تحریر اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اولاد کے معاملے میں والدین کی ذمہ داریاں واضح کی گئی ہیں۔ عقلِ سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے درجے میں والدین اپنی اولاد کی نشوونما اور تربیت میں اپنے فرائض پورے طور پر بجالائیں اور پھر اولاد سے حسنِ سلوک اور فضائل اخلاق کی امید رکھیں۔ چونکہ مصنف اسلامی تاریخ کے ساتھ خاصی دلچسپی رکھتا ہے اس لیے اُس نے والدین کی ذمہ داریاں واضح کرنے کے لیے عظیم ترین والدین کے حوالے سے بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔ قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں تحریر کردہ اس مختصر سے کتابچہ میں والدین کے لیے بہت عمدہ راہنمائی موجود ہے۔ oo

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی
عزیمت وعظمت کی صحیح تصویر

شہیدِ مظلوم رضؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
مناقب اور آپ کی مظلومانہ
شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا' آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں
کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
اشاعت خاص: 40 روپے' اشاعت عام: 24 روپے

مکتبہ خدام القرآن

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501